بارہویں قسط:

"سیاہ حاشیہ"

صائمہ اکرم چوہدری، اسلام آباد

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"یہ تم کیا کر رہی ہو۔۔۔؟" ہاشم ناراض نظروں سے دیکھتا ہوا اسکی جانب بڑھا۔ جبکہ بختاور کے چہرے پر اس وقت اشتعال ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"یہ گھٹیا کتاب تمہارے پاس کیا کر رہی ہے۔؟" اُس نے بھنویں اچکا کر غصّے سے اپنے شوہر کی طرف دیکھا، جو اس وقت حواس باختہ لگ رہا تھا۔

"چھوڑو تم اسے، ہزار دفعہ کہا ہے، میری چیزوں کو بغیر پوچھے ہاتھ مت لگایا کرو۔" وہ گڑبڑا سا گیا۔

"میں یہ ہرگز نہیں دوں گی۔" اُس کی آنکھوں میں ایک محسوس کی جانے والی خفگی اور بغاوت تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔؟ تم پڑھو گی اسے۔؟" وہ سخت حیران ہوا۔

"میرے دماغ کا کوئی پرزہ ڈھیلا نہیں ہوا، اور نہ ہی شیطان اتنا غالب ہوا ہے مجھ پر کہ میں یہ تھرڈ کلاس لٹریچر پڑھنا شروع کر دوں۔" اُس نے بے تحاشا غصّے سے ٹرنک بند کر کے اسکی طرف دیکھا، جو اس وقت ایسے کھڑا تھا جیسے رنگے ہاتھوں چوری کرتا ہوا پکڑا گیا ہوا۔

"یہ میری نہیں، میرے ایک دوست کی کتاب ہے۔۔۔" ہاشم نے کچھ سوچ کر صفائی دینے کی کوشش کی۔ "میری ایسی کوئی دوست ہوتی تو خدا کی قسم میں اُسے گولی مار دیتی۔" وہ جذباتی ہوئی، کتاب ابھی تک اُس کے ہاتھ میں تھی۔ "اس میں اتنا حساس ہونے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔" اُس نے حیرانگی

سے اپنی بیوی کا یہ نیا روپ دیکھا۔

''اس میں کیا کچھ بکواس نہیں کی گئی، میں اپنے اللہ اور اسکے رسول کے متعلق ایسا لکھنے والے کو کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔'' وہ غصّے سے کچن کی طرف بڑھی۔

''آزادی تحریر اور آزادی اظہار ہر انسان کا فطری حق ہے۔۔۔'' وہ اُس کے پیچھے لپکا۔

''تم نے پڑھا ہے اسے۔۔۔؟'' بختاور کی آنکھوں سے شعلے نکلے۔

''ہاں۔۔۔'' اُس نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

''تمہیں ذرا برابر بھی شرم نہیں آئی تم نے اتنی بکواس باتیں پڑھ کیسے لیں۔۔؟'' وہ اُس پر خفا ہوئی، اور اس خفگی میں اسے یہ بھی بھول گیا کہ وہ ہاشم کو ''آپ''
کی بجائے ''تم'' کے لیول پر لے آئی تھی۔

''یہ ایک انسان کی ذاتی سوچ ہے، میری نہیں۔۔۔'' وہ بیزار لہجے میں گویا ہوا۔

''یہ انسان نہیں شیطان ہے، جو اس خبیث کی شکل میں دنیا میں گھوم رہا ہے۔۔'' وہ تڑخ کر بولی۔

''تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا، کسی پر ایسے تنقید کرنے کا۔۔۔'' اُسے بھی غصّہ آ گیا۔

''تو کیا اسے حق ہے کہ وہ کروڑوں مسلمانوں کے جذبات سے کھیلے، مجھے تو تم پر حیرانگی ہو رہی ہے کہ تم کیسے ایسا چیپ مواد سنبھال کر اپنے بکس میں رکھ سکتے ہو۔۔'' بختاور کا غصّہ کسی صورت بھی کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

''بتایا ناں، کچھ سال پہلے میرا ایک دوست بھول گیا تھا میرے پاس، میں نے پرانی چیزوں کے ساتھ اسے بھی رکھ دیا۔'' وہ ہلکا سا جھنجلا کر اُسے دیکھنے لگا جو
کچن میں داخل ہو کر چولہا جلا رہی تھی، ہاشم کو ابھی تک اس کے ارادوں کی خبر نہیں ہوئی۔

''تمہیں پتا ہے، اس کتاب کی اصل جگہ کہاں ہے۔؟؟؟'' وہ عجیب سی نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے

بولی۔

''کہاں۔۔۔؟؟'' وہ واقعی ہی نہیں سمجھا۔

'' یہاں۔۔۔'' بختاور نے جلدی سے وہ کتاب جلتے چولہے کے اوپر رکھ دی۔ ہاشم کو کرنٹ سا لگا۔

''یہ کیا کر رہی ہو تم۔۔۔'' وہ فوراً لپک کر چولہے کے پاس پہنچا، کتاب کے صفحات دھڑ ادھڑ جل رہے تھے۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔۔۔'' اُس نے آگ کے شعلوں سے اُس کتاب کو بچانے کی کوشش کی، اس کوشش میں اسکا ہاتھ ہلکا سا جھلس گیا اور تکلیف کے احساس سے اُس نے فوراً ہی کتاب زمین پر پھینک دی۔ وہ اب نل کھول کر ٹھنڈا پانی اپنے ہاتھ پر ڈالنے لگا۔ ایک آگ زمین پر بھڑک رہی تھی اور دوسری ہاشم کے دل میں، اسکا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنی بیوی کو اٹھا کر باہر گلی میں پھینک دے۔

''بے وقوف عورت، میرا ہاتھ اچھا خاصا جلا دیا۔'' وہ آبلوں کے اوپر پھونکیں مار کر اپنی جلن کو کم کرنے لگا۔

''ہلکی سی تپش سے تمہارا یہ حال ہے، ذرا سوچو، جہنم کی آگ سے کیسے بچو گے۔۔۔'' بختاور نے اسکا ضمیر جگانے کی ناکام کوشش کی۔

''شٹ اپ۔۔۔!!!'' وہ غصّے سے پلٹا۔

''بیٹیوں کی وفات نے تمہارے دماغ کو گھما دیا ہے، جو تم ایسی پاگلوں جیسی حرکتیں کر رہی ہو۔'' اُس نے بھی جو ذہن میں آیا، بول دیا۔

''اور شیطان تم پر حاوی ہو چکا ہے، جو تم ایسی چیزیں پڑھتے ہو۔'' اُس نے بھی جواباً حساب پورا کیا۔

''دوبارا میری چیزوں کو ہاتھ لگانے کی کوشش کی، تو اچھا نہیں ہوگا۔'' وہ غضب ناک نگاہوں سے اسکی طرف دیکھ کر بولا۔

''اور اگر ایسی کوئی چیز دوبارا مجھے اس گھر میں نظر آئی تو اسکا انجام بھی ایسا ہی ہوگا۔'' بختاور نے نفرت آمیز

نظروں سے زمین پر ادھ جلی کتاب کی طرف اشارہ کر کے دوبدو جوب دیا۔ ہاشم کا دماغ گھوما اور اس کے ساتھ ہی اسکا ہاتھ بھی ایک دھماکے سے بختاور کے دائیں گال پر آ پڑا۔ وہ اس اچانک حملے سے سنبھلتے ہوئے بھی شیلف سے جا ٹکرائی۔ اذیت کی ایک لہر اسکے پورے وجود میں دوڑ گئی۔

''دوبارا میری چیزوں کو خراب کرنے کی کوشش کی،تو اس سے بھی بُرا حال کر دوں گا تمہارا۔'' وہ انگلی اٹھا کر اسے دھمکی دیتے ہوئے بولا۔

وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے سامنے کھڑے اُس اجنبی شخص کو دیکھنے لگی، جس کی وجہ سے وہ اپنا گھر بار، عزیز رشتے دار سب کچھ چھوڑ آئی تھی۔ ان میں سب سے مہنگی چیز اُس کے والدین کی عزت تھی، جسے اُس نے کوڑیوں کے بھاؤ بیچتے ہوئے ایک لمحے کو بھی نہیں سوچا تھا اور جس شخص کی خاطر اُس نے یہ سب کیا، اُس نے بھی ایک پل میں اُسے سر سے اتار پھینکا تھا۔

''وہ شخص ویسا نہیں ہے، اُس نے اپنے اوپر نقاب چڑھا رکھا ہے۔'' اگلے دن وہ نیلم کو فون کر کے دھواں دھار رونے لگی۔

''تمہیں کیا ضرورت تھی اسکی کتابوں کو ہاتھ لگانے کی۔'' دوسری طرف وہ بھی صدمے بھرے انداز میں بولی۔

''وہ حد درجہ گمراہ ہو چکا ہے اور ان سب کے پیچھے، ایسے ہی لٹریچر کا ہاتھ ہے۔'' وہ بلند آواز میں روتے ہوئے نیلم کو پریشان کر رہی تھی۔

''بڑے بڑے لوگ گمراہ ہو کر واپس پلٹ آتے ہیں، اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو۔'' اسکی دوست نے اُسے دلاسا دینے کی کوشش کی۔

''میں حیران ہوں، اس قدر نیک، پریزگار، عالم دین انسان سے کون سی ایسی غلطی ہوگئی، جس کے نتیجے میں اللہ نے اُسے ایسی اولاد سے نوازا۔'' وہ بھیگے لہجے میں ہاشم کے والد کے بارے میں بات کرتے

ہوئے بولی۔

''ضروری نہیں یہ کسی غلطی کی سزا ہو، اللہ نیک بندوں کی آزمائش بھی تو کرتا ہے اور اولاد کے ذریعے بھی انسان کو آزماتا ہے۔'' اُس نے سنجیدگی سے جواب دیا، لیکن بختاور کو بالکل بھی سکون نہیں آرہا تھا۔

''مجھے لگتا ہے اللہ نے مجھے بھی والدین کی نافرمانی کی سزا دی ہے۔'' وہ ایک دفعہ پھر رو دی۔

''حوصلہ کرو بختاور، ایسا کچھ نہیں ہے، تم پیار اور محبت سے ہاشم بھائی کو بدلنے کی کوشش کرو۔'' نیلم نے خلوص دل سے اُسے مشورہ دیا۔

''اللہ جس شخص کے دل پر مہر لگا دے، اُس پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا، ورنہ اُس کے عالم دین باپ نے کیا کوشش نہیں کی ہو گی۔'' وہ مایوسی کی انتہاء پر تھی۔

''بعض لوگوں کو ہدایت بھی تو خاص لوگوں سے ملتی ہے، تم اپنی کوشش جاری رکھو۔'' دوسری طرف نیلم کو پورا یقین تھا کہ وہ اسے راہ راست پر لے آئے گی۔

''اگر ایسا نہ ہوا تو۔۔۔؟'' آج کل اس کا دل اندیشوں کی آماجگا بنا ہوا تھا۔

''انشاءاللہ ایسا ہی ہو گا، تم مایوس مت ہوں، اٹھتے بیٹھتے، آہستہ آہستہ اُسے نیکی اور خدا کی طرف راغب کرو۔'' نیلم نے اُسے ایک دفعہ پھر سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس وقت وہ اس قدر صدمے سے دوچار تھی کہ اُسے کوئی بات بھی سمجھ نہیں آرہی تھی، تبھی اُس نے نیلم کو خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اُسے سمجھ آگئی تھی کہ یہ خسارے کا سودا اُس نے اکیلے کیا تھا اور اسے تنہا ہی اس آزمائش سے نبٹنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موسم کافی حد تک بدل گیا تھا۔ سردی کی شدت میں کمی کے بعد بہار کی آمد آمد تھی، تبھی فضا میں ایک خوشگوار سی مہک رچ بس سی گئی تھی۔۔۔ کھلا کھلا سا یہ موسم مزاجوں پر اچھے اثرات مرتب کر رہا تھا۔ عدینہ کی بے

رخی اور بے نیازی، عبداللہ کے لیے پریشانی کا موجب بن رہی تھی، اس لیے وہ کچھ سوچ کر اس کے کالج میں چلا آیا۔ اور یدا سے اُسے پتا چل گیا تھا کہ وہ آج اکیلی ہی کالج آئی ہے۔ اس سے بہتر کوئی اور موقع نہیں تھا، تبھی تو وہ وہاں چلا آیا۔ اسکی ایک کلاس فیلو نے بتایا تھا کہ وہ اسپورٹس گراؤنڈ میں موجود ہے، وہ ایک نسبتاً سنسنان گوشے میں بلند سی جگہ پر ٹانگیں لٹکائے اکیلی بیٹھی تھی۔ وہ خاموشی سے اُس سے تھوڑا فاصلے پر بیٹھ گیا تھا۔ عدینہ نے چونک کر اسکی طرف دیکھا اور ہلکی سی ناگواری کا تاثر اسکے چہرے پر نمایاں ہوا، لیکن اسکی دھڑکنیں حسب معمول بغاوت کر چکی تھیں۔

"آخر اس شخص کو دیکھ کر میری دھڑکنیں بے ربط ہونا کب چھوڑیں گی۔"؟ اُس کے چہرے پر جھنجلاہٹ نے بسیرا کیا۔

"کیوں آئے ہیں آپ یہاں۔۔۔؟؟؟" اُس کے لہجے میں چھپی خفگی بے ساختہ چھلکی۔

"تم سے ملنے۔۔۔۔" وہ معصوم انداز میں گویا ہوا۔

"کیوں۔۔۔؟" اُس نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

"آخر، مجھے تمہاری طرف ہی آنا تھا۔۔" عبداللہ کا سر جھکا ہوا تھا اور عدینہ اسکی طرف دیکھے بغیر بتا سکتی تھی کہ وہ مسکرا رہا ہے۔

"مجھ پر اب یہ باتیں اثر نہیں کرتیں۔۔۔" وہ چڑ کر گویا ہوئی۔

"اچھا، پھر کیا چیز اثر کرتی ہے۔۔۔"؟ عبداللہ نے پہلی دفعہ اسکی آنکھوں میں جھانکا۔ عدینہ کے چھکے چھوٹ گئے، وہ گڑبڑا کر ایک قدم اور پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئی۔ اسکے چہرے پر پھیلی سرخی سے عبداللہ نے دانستہ نظریں چرائیں۔

"کوئی بھی نہیں۔۔۔" وہ اسپورٹس گراؤنڈ میں ایکسرسائز کرتے لڑکوں کو دیکھنے لگی۔

"میں بہت شرمندہ ہوں تم سے، لیکن تم سے رابطہ کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں تھا میرے پاس۔" وہ

آہستگی سے گویا ہوا۔

''کیوں، آپا کا نمبر بھی ڈیلیٹ کر دیا تھا آپ نے۔۔'' اُس نے طنز کیا۔

''میں آپا سے خفا تھا، انہوں نے اُس رات مجھے میری نظروں سے گرا دیا تھا۔'' اُسکے ہر انداز میں دکھ اور شکوے کا رنگ نمایاں تھا۔

''اور پھر اس بات کی سزا دینے کے لیے آپ نے مجھے چن لیا۔'' وہ اپنی کتابیں سمیٹتے ہوئے ناراضی سے گویا ہوئی۔

''میں اپنی پی ایچ ڈی کے بعد تم سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔۔''عبداللہ نے ہلکا سا جھجک کر اپنی صفائی دینے کی کوشش کی۔

''تو پھر ہو گئی پی ایچ ڈی۔۔۔؟'' اُس کے لہجے میں طنز کی آمیزش شامل ہوئی ہوئی۔

''نہیں، تھیسس آخری مراحل میں ہے، میں ملائشیا کی ایک یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کر رہا ہوں۔'' اُس نے سادگی سے اسکی معلومات میں اضافہ کیا۔

''تو ٹھیک ہے پھر پی ایچ ڈی کر ہی لیں سکون سے اور مجھے بھی پڑھنے دیں۔'' وہ اپنی فائل اٹھا کر جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''عدینہ کیوں کر رہی ہو تم میرے ساتھ ایسا۔۔۔؟'' اب کہ وہ پریشان ہوا۔

''آپ کیا چاہتے ہیں مجھ سے۔۔؟'' اُس کا لہجہ سپاٹ ہوا۔

''میں چاہتا ہوں، تم اپنی ساری ناراضگی، گلے شکوے سب کچھ ختم کر دو۔'' وہ بیچارگی سے گویا ہوا۔

''ٹھیک ہے، ختم کر دیئے۔۔۔اب۔۔۔؟'' وہ اُسے لمحہ لمحہ حیران کر رہی تھی۔

''میرا تھیسس نیکسٹ چھ مہینوں میں ختم ہو جائے گا، میں پھر آپا کے پاس آؤں گا۔'' وہ اپنا اگلا پروگرام اُسے بتا رہا تھا۔

''ٹھیک ہے، پھر تب ملاقات ہو گی۔۔۔'' وہ اپنی بکس اور فائل اٹھا کر چل پڑی، عبداللہ کو دھچکا لگا، وہ کئی لمحے تک اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔

''میرا خیال ہے، تمہیں شاید اب میری ضرورت نہیں رہی۔۔۔'' وہ اُسکے پیچھے لپکا۔

''دیکھیں عبداللہ، میرا کالج میں ایک امیج ہے اور میرے کلاس فیلوز میری بہت ریسپیکٹ کرتے ہیں۔'' عدینہ کی بات اُسے سمجھ نہیں آئی۔

''کیا مطلب۔۔۔؟'' وہ اسکے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''آپ کا اس طرح روز روز آنا، میرے لیے مسائل کا موجب بن سکتا ہے۔'' اُس نے صاف گوئی سے کہا تو عبداللہ کے دل پر گھونسہ سا پڑا۔

''عدینہ، تمہاری عزت و وقار پر میں نے آج تک آنچ نہیں آنے دی، تم نے یہ سوچا بھی کیسے کہ میں تمہارے لیے کوئی مسئلہ کھڑا کروں گا۔'' وہ اب افسردگی سے اپنے سامنے کھڑی اس ناراض لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جس کے کردار کی مضبوطی کی گواہی وہ آنکھ بند کر کے دے سکتا تھا۔ اُس کی یہی چیز تو اُسے بھاتی تھی۔ وہ بھلا کیسے اُسے میلا کر سکتا تھا۔

''میں آپا کو بتائے بغیر آپ سے رابطہ رکھنا نہیں چاہتی۔۔۔'' اُس نے سر جھکا کر سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اور میں اس بات کے لیے تمہیں مجبور بھی نہیں کروں گا۔'' صاف گوئی اسکا بھی نمایاں وصف تھی۔

''پھر۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟'' عدینہ نے ایک دفعہ پھر اسکی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی لیکن اس دفعہ اُسے مایوسی ہوئی، وہ سر جھکائے اس طرح سے کھڑا تھا کہ افسردگی اسکے سارے وجود پر چھائی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

''کچھ نہیں۔۔۔'' وہ تھوک نگل کر بمشکل بولا ''میں چلتا ہوں، اور کوشش کروں گا کہ دوبارا یہاں نہ آؤں۔'' وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دوسری طرف چل پڑا۔ عدینہ نے پریشانی سے اسکی طرف دیکھا، اسکا

دل گویا بغاوت پر اتر آیا، جسم کی ساری رگوں میں ایک حشر سا برپا ہو گیا۔ وہ خوفزدہ نگاہوں سے عبداللہ کی پشت کی طرف دیکھنے لگی، وہ سر جھکائے اس طرح سے چل رہا تھا جیسے کوئی شخص اپنی کل کائنات لٹا کر جا رہا ہو۔

ایک لمحے کو عدینہ کا دل چاہا کہ وہ اُسے آواز دے دے، لیکن جلد ہی اُس نے خود کو سنبھال لیا۔ اپنی عزت اور اپنا وقار اُسے ہر چیز سے زیادہ عزیز تھا، اس لیے

وہ خود پر جبر کرتی ہوئی بمشکل اپنے کلاس روم کی طرف چل پڑی، لیکن اب تھکن اور اداسی اُس کے سارے وجود کا احاطہ کر چکی تھی۔

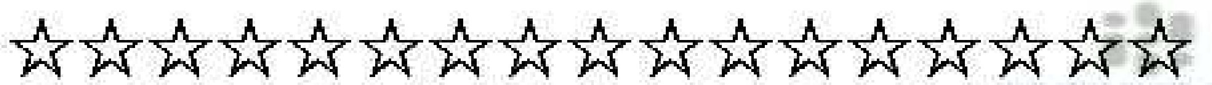
''تمہیں اس سے بات کر لینی چاہیے تھی۔۔۔'' شام کو اوریدا نے سارا قصّہ سن کر سادگی سے کہا۔

''پتا نہیں کیوں، اسکی طرف دیکھتے ہی میرے سارے زخموں کے ٹانکے ادھڑنے لگتے ہیں۔'' وہ بیچارگی سے گویا ہوئی۔

''ایسا ہی ہوتا ہے، جس شخص کو ہم نے زمانے میں سب سے زیادہ چاہا ہوتا ہے، اسکی ایک سرد نگاہ بھی دل میں قیامت برپا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس نے تو تمہیں اتنا عرصہ رلایا ہے۔'' اوریدا اُس کا دکھ سمجھ سکتی تھی۔

''وہ سامنے آتا ہے تو یقین مانو، اپنی بے قدری کا دکھ مجھے دیمک کی طرح چاٹنے لگتا ہے۔'' عدینہ نے اپنی مشکل بیان کی۔

''اُسے اور خود کو ٹائم دو، وقت بہت سے زخموں پر مرہم رکھ دیتا ہے۔۔۔'' اوریدا نے اُسے خلوص دل سے مشورہ دیا، جو اُسے سمجھ آ بھی گیا تھا، اس لیے اس دفعہ وہ سر ہلا کر خاموش ہو گئی۔



آپا صالحہ کو اب اکثر ہی بخار رہنے لگا تھا۔ اُس دن وہ بے جی کے بار بار کہنے پر اپنے کچھ ٹیسٹ کروانے کے لیے "نوری ہوسپٹل" آئیں تھیں۔ حسب معمول مونا ان کے ساتھ تھی۔ دونوں نے ٹیسٹ کے سیمپل دیے اور اب آپا صالحہ ڈاکٹر کے پاس گئیں ہوئیں تھیں اور مونا ویٹنگ روم میں اردگرد بیٹھے لوگوں کے چہرے پڑھنے میں مصروف ہوگئی۔ ہر چہرے پر دکھ، اور غم کی ایک علیحدہ تحریر تھی۔ مونا کا دل ہمدردی کے جذبات سے بھر گیا۔ آپا صالحہ کو ڈاکٹر کے کمرے میں گئے ہوئے کافی دیر ہوگئی تھی۔ ان کا سیل فون بھی مونا کے پاس تھا۔ اچانک اُس کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف عدینہ تھی۔

"السلام علیکم عدینہ باجی۔۔۔" مونا کال اٹینڈ کر کے کوریڈور سے باہر لان کی طرف آ گئی۔

"کیسی ہو مونا۔؟" عدینہ کا انداز اُسے کچھ بجھا بجھا سا لگا۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں۔۔۔؟" اُس نے جواباً پوچھا۔

"فائن۔۔۔!!! آپا کہاں ہیں۔؟ ان کا سیل فون تمہارے پاس کیسے آ گیا۔؟"

"آپا ٹھیک نہیں ہیں عدینہ باجی۔۔۔" مونا نے دائیں بائیں دیکھ کر قدرے آہستگی سے سرگوشی کی، دوسری طرف عدینہ کا دل اندیشوں سے بھر گیا۔

"کیوں، کیا ہوا مونا۔؟ میری بات کرواؤ آپا سے۔۔۔" وہ بے تاب ہوئی۔

"وہ سو رہی ہیں، اس لیے بات نہیں کروا سکتی۔" مونا نے جھوٹ بولا، وہ اُسے بتانا نہیں چاہتی تھی کہ وہ آپا کے ساتھ اسلام آباد میں ہے۔

"لیکن ہوا کیا ہے انہیں۔۔۔۔؟" وہ پریشان ہوئی۔

"ہر دوسرے دن بخار ہو جاتا ہے اور پیٹ بھی اکثر خراب رہنے لگا ہے۔" مونا نے محتاط انداز میں بتایا۔

"میں اس ویک اینڈ پر گھر آتی ہوں، اور پھر لاہور لے کر جاؤں گی انہیں۔" عدینہ نے اپنے ارادوں سے اُسے آگاہ کیا۔

''ہاں ضرور، لیکن پلیز انہیں مت بتایئے گا کہ یہ بات میں نے آپکو بتائی ہے۔۔۔'' اُس نے گھبرا کر یاد دہانی کروائی۔

''اچھا نہیں بتاتی، لیکن آپا جیسے ہی اٹھیں، میری بات کروانا اور ہاں انکا بہت زیادہ خیال رکھنا اور میڈیسن ریگولر دیتی رہنا۔۔۔'' عدینہ نے اُسے نصیحت کر کے فوراً فون بند کیا تو مونا نے اطمینان بھرا سانس لیا، اُسے یقین تھا کہ عدینہ اس ویک اینڈ پر ضرور گھر آ جائے گی، وہ خود بھی اس کے لیے اداس ہو رہی تھی اور کچھ

آپا کی گرتی ہوئی صحت نے اُسے اور بے جی دونوں کو فکر مند کر رہا تھا۔

آپا صالحہ، ڈاکٹر سے ملاقات کے بعد تھکے تھکے انداز میں باہر نکلیں۔ ان کے ہاتھ میں اپنی فائل تھی، انہوں نے اپنا آدھا چہرہ چادر سے چھپا رکھا تھا۔ مونا لپک کر ان کے پاس آئی۔ جب کہ آپا کھوجتی نگاہوں سے اسکی طرف دیکھنے لگیں۔

''کس سے بات کر رہی تھیں تم۔۔۔؟'' وہ شاید نہیں یقیناً اُسے سیل فون کان سے لگائے دیکھ چکی تھیں۔

''عدینہ باجی کی کال تھی۔۔۔'' اُس نے ہلکا سا جھجک کر بتایا۔

''تم نے اُسے بتایا تو نہیں، ہم لوگ ہوسپٹل آئے ہوئے ہیں۔'' انہوں نے بے چینی سے پوچھا۔

''آپ کی اجازت کے بغیر میں کیسے بتا سکتی تھی۔۔'' مونا کی بات نے انہیں مطمعن کیا۔

''چلو اب نکلتے ہیں۔۔۔'' انہوں نے اسکی بات پر مزید کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

''عدینہ باجی، ویک اینڈ پر گھر آ رہی ہیں۔'' اُس نے آپا کو بے سکون کیا۔

''اچھا میں گھر جا کر بات کرتی ہوں اس سے۔۔'' ان کے اعصاب ہلکے سے تن گئے۔

''آپ ان کو پلیز منع مت کیجئے گا۔۔۔'' مونا نے نوری ہوسپٹل کے گیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے ان سے درخواست کی۔

''میں ابھی اُس سے ملنا نہیں چاہتی، وہ میری صحت دیکھ کر پریشان ہو جائے گی۔'' آپا صالحہ نے اپنی مجبوری بتائی۔

''لیکن کبھی نہ کبھی تو انہیں بتانا ہی پڑے گا۔'' مونا نے محتاط انداز میں کہا۔

''لیکن جب تک اُسے علم نہ ہو یہ اچھا ہی ہے، وہ پر سکون ہو کر اپنی پڑھائی تو کر سکے گی۔'' وہ ایک ٹیکسی کی طرف بڑھتی ہوئی بولیں۔ انہیں فیض آباد اڈے پر جانا تھا۔ ٹیکسی والے سے معاملات طے کر کے وہ دونوں بیٹھ گئیں۔

عدینہ باجی کو جب بھی پتا چلے گا تو وہ بہت خفا ہونگیں آپ سے۔۔'' مونا نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''میں دیکھ لوں گی اُسے۔۔۔'' وہ لاپرواہی سے بولیں۔

''ڈاکٹر نے کیا کہا آپ سے۔۔۔؟'' مونا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''وہی ایک بات کہ فوراً سرجری کروالیں۔۔'' وہ پھیکے سے انداز میں مسکرادیں۔

''تو پھر آپ دیر کیوں کر رہی ہیں آخر۔۔''؟ وہ خفا ہوئی۔

''عدینہ کے ایگزام ہو جائیں، پھر دیکھتی ہوں۔۔'' وہ ابھی تک اپنی بات پر ڈٹی ہوئیں تھیں۔

''آپا، اس طرح تو بہت دیر ہو جائے گی۔۔۔'' مونا کے لہجے میں احتجاج کا رنگ نمایاں ہوا۔

''کچھ نہیں ہوتا۔۔۔'' وہ لاپرواہی سے بولتے ہوئے ٹیکسی کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگیں۔

ان کی ٹیکسی اسلام آباد ایکسپریس وے کے ایک سگنل پر کھڑی تھیں، اچانک آپا صالحہ کی نظر ایک بڑے بل بورڈ پر پڑی، انہیں جھٹکا لگا، وہ کسی نئے سیریل کا ایڈ تھا، جس کی ہیروئن ایک نئی لڑکی تھی، لیکن اسکے چہرے پر نظر ڈالتے ہی آپا صالحہ کے دل کی دنیا میں ایک طلاطم برپا ہو گیا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اُس لڑکی کے جانے پہچانے نقوش دیکھنے لگیں۔ مونا نے بھی ان کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔

"آپا، اس لڑکی کی شکل آپ سے کتنی ملتی ہے۔۔" اُس کے منہ سے پھسلا۔

"خوامخواہ سے۔۔۔" انہیں کرنٹ لگا۔

"تم ہر ایری غیری لڑکی کو مجھ سے مت ملایا کرو۔۔" وہ بُرا مان گئیں۔

"میں نے تو ایسے ہی کہا تھا۔۔" مونا نے خفت بھرے انداز میں سر جھکا لیا۔

سگنل کھل چکا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی آپا صالحہ کے دل و دماغ میں بھی ایک فلم چل پڑی تھی۔ ان کا سارا وجود گویا زلزلوں کی زد میں تھا۔ دائیں بائیں بھاگتی دوڑتی گاڑیوں اور مناظر سے ان کی دلچسپی یک دم ہی ختم ہو گئی اور ذہن میں ایک ہی چہرہ نقش ہو گیا تھا، وہ چہرہ جو اس بڑے بل بورڈ پر ان کی طرف استہزائیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ جس نے ان کا سارا سکون غارت کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس واقعے کے بعد بختاور کا رو رو کر بُرا حال تھا، اُس نے اپنے بیڈ روم کا دروازہ کل سے لاک کر رکھا تھا اور ہاشم کو رات بھی ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر سونا پڑا۔ اس وقت بھی وہ وہیں بیٹھا دل ہی دل میں خود کو کوس رہا تھا۔

"مجھے بختاور پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔۔" اُس کے دماغ میں مسلسل ایک ہی فقرے کی تکرار ہو رہی تھی۔

"لیکن اُس نے بھی تو بدتمیزی کی تھی۔۔۔" وہ خود کو مطمعن کرنے کے لیے ایک جواز ڈھونڈ ہی لایا۔

"جو بھی ہو، اس طرح کسی عورت پر ہاتھ اٹھانا کہاں کی مردانگی ہے۔۔" اُسکا ضمیر آج اسے کسی طور بھی بخشنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"مجھے اُسے منانا چاہیے۔۔" وہ اٹھ کر بختاور کے کمرے کے باہر آن کھڑا ہوا، شرمندگی نے اُس کے

سارے وجود کا حصار کر رکھا تھا، اُسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کس طرح اُسے منائے، اُس نے ہلکا سا جھجک کر دروازے پر ناک کی۔ اندر بالکل خاموشی تھی۔

''بختاور، آئی ایم سوری یار، دروازہ تو کھولو۔۔۔'' وہ ہلکا سا جھجک کر گویا ہوا۔

''دیکھو میں مانتا ہوں، ساری غلطی میری ہے لیکن ہم بیٹھ کر بھی تو اس موضوع پر بات کر سکتے ہیں۔'' وہ اس دفعہ دروازہ زور سے کھٹکھٹاتے ہوئے اونچی آواز میں بولا لیکن دوسری طرف بختاور نے بھی شاید آج اسکی کوئی بھی بات نہ سننے کی قسم کھا رکھی تھی۔

''دیکھو تم جو کہو گی، میں مان جاؤں گا، لیکن تم دروازہ تو کھولو۔۔۔'' وہ نرمی سے اُسے لالچ دیتے ہوئے بولا۔

''مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔۔۔'' اُس نے بھی اپنی خاموشی کا حصار غصیلے لہجے میں توڑا۔

''میری جان، ایسے مسئلہ کیسے حل ہوگا۔۔۔؟'' وہ پریشان ہوا۔

''مجھے آپ کے خودساختہ مسائل کو حل کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں۔۔۔'' اُس نے بھی بے رخی کے ریکارڈ توڑے۔

''اچھا دروازہ تو کھولو۔۔۔'' دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔

''پلیز بختاور، دروازہ کھولو، میری ساری میڈیسن کمرے میں ہیں، میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔۔۔'' اس دفعہ بختاور نے دروازہ کھول دیا۔ ہاشم کی جیسے ہی اُس پر نظر پڑی، اسکا دل شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرا۔ الجھے بال، متورم آنکھیں اور اسکے رخسار پر ابھی بھی سرخی نمایاں تھی۔

''آئی ایم سو سوری یار۔۔۔'' وہ اُس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ بختاور کی آنکھوں سے ایک دفعہ پھر آنسو پھسلنے لگے۔

''پلیز بختاور، رو نا مت، میں بہت شرمندہ ہوں۔۔۔'' اُس نے محبت سے بختاور کے بازو پر ہاتھ رکھنے کو

شش کی، اُس نے ناراضی سے اپنے بازو کو پرے کیا اور بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔ وہ خفت کا شکار ہوا۔

''پتا نہیں، مجھے کیا ہو گیا تھا۔۔۔؟'' وہ اسکے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''شیطان غالب آ گیا تھا اور کیا ہونا تھا۔۔۔'' بختاور نے دل ہی دل میں تلخی سے سوچا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں، دوبارا ایسا نہیں کروں گا۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔'' اُس نے دوبارا سے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''اپنا ہاتھ ہٹائیں، مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' وہ بولی نہیں پھنکاری تھی۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں بختاور، تم ایسی تو نہیں تھیں۔۔۔'' وہ حیرانگی سے گویا ہوا۔

''آپ بھی تو ''ایسے'' نہیں تھے، جو شخص جانوروں کا اتنا خیال رکھتا ہو، وہ کسی انسان کے ساتھ ایسا سلوک کیسے کر سکتا ہے۔'' اُس نے اُسے مذید شرمندہ کیا۔

''یہی بات تو میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔۔۔'' وہ الجھن آمیز انداز میں بولتا ہوا، اسکے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

''لیکن مجھے سمجھ آ گئی ہے۔۔۔'' اُس نے ناراضگی سے سر جھٹکا۔

''کیا۔۔۔؟؟؟''

''جو شخص اللہ اور اسکے رسول کے خلاف لکھی جانے والی کتابیں پڑھتا ہو، وہ کسی کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہے۔'' وہ اس سے ٹھیک ٹھاک خفا تھی۔

'' تم بات کو غلط سائیڈ پر لے جا رہی ہو بختاور۔۔۔'' وہ جھنجھلایا۔

''اور آپ پورے کے پورے غلط سائیڈ پر جا چکے ہو، یہ بات آپکو سمجھ کیوں نہیں آتی۔'' اُس نے بھی تلخ لہجے میں دو بدو جواب دیا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے بختاور، میں کسی سے جھوٹ نہیں بولتا، کسی کو دھوکا نہیں دیتا، میرے زندگی گذارنے کے

اپنے اصول ہیں۔'' وہ خفت زدہ انداز میں اسے صفائی دے رہا تھا۔

''آپ کو اپنے سارے اصول وضوابط مجھے شادی سے پہلے بتانے چاہیے تھے۔۔۔'' اُس نے مذید اُنہیں تعجب میں مبتلا کیا۔

''تو کیا کرتیں تم۔۔۔؟'' وہ دنیا جہان کا تحیر آنکھوں میں سمیٹے اسکی طرف دیکھ رہا تھا۔

''اُس کے بعد ہی میں سوچ سمجھ کر شادی کا فیصلہ کرتی۔۔۔'' وہ سپاٹ انداز میں کہہ کر کمرے سے نکل آئی، کچھ لمحے تو ہاشم کو یقین ہی نہیں آیا کہ یہ جملہ اُس لڑکی نے کہا ہے جو اسکی محبت میں اپنے کروڑ پتی باپ کی عیش وعشرت کو ٹھوکر مار آئی تھی۔ جس نے اسکی محبت میں ایک آگ کا دریا پار کیا تھا۔

''میں نے کہا ناں، مجھ سے غلطی ہوگئی۔'' وہ کچن میں اسکے پیچھے چلا آیا۔

''تو اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔۔؟'' وہ نل کھول کر برتن دھونے لگی۔ پورا کچن کل سے بکھرا پڑا تھا۔ اُس نے جھانک کر بھی نہیں وہاں دیکھا تھا۔

''تم مجھے معاف کر کے پہلے کی طرح ہو جاؤ۔۔۔'' اسکی فرمائش پر وہ طنزیہ انداز میں مسکرائی۔

''عورت کوئی موم کی گڑیا نہیں ہوتی کہ اسے مرد جب چاہے اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لے۔ اپنی آنکھ کے اشاروں پر چلائے اور اپنے اختیار کے موسم اُس پر مسلط کر کے، اسکی سانسوں پر بھی پابندی لگا دے۔۔'' وہ آج ایک نئے ہی رنگ ڈھنگ میں تھی۔

''بختاور پلیز بس کر دو اب۔۔۔'' اُسکے ضبط کا پیمانہ بھی چھلکا۔

''آپ پلیز جائیں یہاں سے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔۔'' وہ برتن دھوتے ہوئے اجنبیت سے گویا ہوئی تو ہاشم کچھ لمحے تو اُسے دیکھتا رہا اور پھر کچھ سوچ کر کچن سے نکل گیا۔ بختاور نے اسکے نکلتے ہی ایک لمبی سانس لی، اُسے پہلی دفعہ ہاشم کی موجودگی میں گھٹن کا احساس ہوا تھا اور یہ احساس اُسے خوفزدہ کرنے کے لیے کافی تھا۔۔

آنے والے دنوں میں ان دونوں کے درمیان ایک محسوس کی جانے والی اجنبیت کی دیوار کھڑی ہوگئی تھی، ہاشم نے ان فاصلوں کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی لیکن بیٹیوں کی وفات کے بعد بختاور نے بے حسی کی چادر تان لی تھی، وہ گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر گھنٹوں قرآن پاک کھول کر تلاوت کرتی رہی اور

ہاشم ناگواری سے اُسے دیکھتا رہتا، لیکن خیریت اس لیے تھی کہ اب ہاشم نے اُسے ٹوکنا چھوڑ دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بینش کے گھر سے آنے والی ڈھولک کی آواز اوریدا کے اعصاب کو بُری طرح چٹخا رہی تھی۔ اُس نے سارے کھڑکیاں، دروازے بند کر رکھے تھے لیکن بینش نے اپنے لان میں فنکشن کا اہتمام کر رکھا تھا، وہ بہانے بہانے سے کئی چکر بڑے ابّا کے گھر کے لگا چکی تھیں۔ ان کے انگ انگ سے سرشاری ٹپک رہی تھیں اور بات بات پر لبوں سے ہنسی کے فوارے پھوٹ رہے تھے۔

''بوا آپ نے شام میں ارصم کی منگنی پر ضرور آنا ہے۔۔۔'' انہوں نے کنکھیوں سے اوریدا اور عدینہ کو دیکھتے ہوئے بوا رحمت کو مخاطب کیا۔ اوریدا کا چہرہ ایک لمحے کو تاریک ہوا اور عدینہ نے ناپسندیدہ نظروں سے اپنے سے کچھ فاصلے پر کھڑی اُس مغرور عورت کو دیکھا، جس کی گردن آج فخر سے تنی ہوئی اور لہجے میں محسوس کیا جانے والا زعم جھلک رہا تھا۔

''بٹیا، میری طرف سے تو معذرت، آج تو گھٹنوں کے درد نے بے حال کر رکھا ہے۔'' بوا رحمت نے انہیں صاف ٹالا۔

''بھئی اوریدا اور عدینہ تم لوگ تو آؤ گے ناں۔۔'' انہوں نے جتاتے ہوئے انداز میں دونوں کو دیکھا۔

''نہیں بھئی، آج ان میں سے کوئی بھی نہیں آئے گا، ہم لوگ ایک ڈنر پر انوائیٹڈ ہیں۔۔'' بڑے ابا نے

لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے اپنی بات سے ان دونوں کو حیران اور بینش کو پریشان کیا۔ وہ ہکا بکا انداز میں انکی طرف دیکھنے لگیں۔

''تایا ابا، آپ ارصم کی انگیج منٹ میں نہیں آئیں گے کیا۔۔۔؟'' بے یقینی ان کے ہر انداز میں نمایاں تھی۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتیں تھیں کہ ڈاکٹر جلال کی طرف سے ایسا فقرہ بھی انہیں سننے کو مل سکتا ہے۔

''نہیں بیٹا، آج ڈاکٹر منصور کے پوتے کا ولیمہ ہے اور اس نے اسپیشلی اوریدا کو لانے کو کہا ہے۔'' وہ اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے بینش کا سارا سکون غارت کر گئے۔ اوریدا نے بھی حیرانگی سے بڑے ابا کا سنجیدہ چہرہ دیکھا۔

''لیکن وہ اوریدا کو کیسے جانتے ہیں۔۔؟'' بینش کو یقین نہیں آیا۔

''اوریدا تیمور کی بیٹی ہے اور تیمور، ڈاکٹر منصور کے بیٹے کا بہترین دوست ہے، وہ جب بھی انگلینڈ جائے تو اس کے پاس ہی قیام کرتا ہے۔'' بڑے ابا نے خلاف عادت تفصیل سے جواب دیا۔

''لیکن آپ مجھے پہلے بتاتے ناں، میں ارصم کا فنکشن دوپہر میں ارینج کروالیتی۔۔۔'' وہ ٹھیک ٹھاک بدمزا ہوئیں۔

''اٹس اوکے، آپ لوگ اپنا پروگرام جاری رکھیں، انشاء اللہ ارصم کی شادی پر سارے ارمان پورے کرلیں گے۔'' انہوں نے لاپرواہی سے کہہ کر ٹی وی کا ریموٹ کنٹرول اٹھایا اور چینل سرچ کرنے لگے۔

''لیکن بڑے ابا، آپ کے بغیر کیا خاک مزا آئے گا۔۔۔'' بینش پریشانی سے ان کے صوفے پر آن بیٹھیں۔ انہیں اب بڑے ابا کو جذباتی طور پر بلیک میل کرنا تھا جس میں وہ اکثر ہی کامیاب رہتی تھیں۔

''وہ تو ٹھیک ہے بیٹا، لیکن میں ڈاکٹر منصور کو بھی منع نہیں کرسکتا، آپ اچھی طرح جانتیں ہیں، میرے ان سے کتنے اچھے تعلقات ہیں۔'' انہوں نے بھی نرمی سے اپنی مجبوری بتائی۔

''وہ تو ٹھیک ہے تایا ابا، لیکن آپ بچیوں کو تو مت لے کر جائیں۔ اوریدا کو تو آنا چاہیے اورصم کی منگنی

میں، دونوں کی اتنی تو دوستی ہے۔'' بینش نے بھی آج اوریدا کے زخموں پر نمک چھڑکنے کا پورا بندوبست کر رکھا تھا۔

''آپ چلے جائیں ناں، بچیاں فنکشن اٹینڈ کرلیں گی۔۔۔'' انہوں نے مزا لیتے ہوئے مشورہ دیا۔ بڑے ابّا نے چونک کر اوریدا کا ہراساں چہرہ دیکھا، وہ شدید اضطراب کا شکار لگ رہی تھی۔ انہیں پہلی دفعہ بینش کی سنگ دلی پر افسوس ہوا۔

''نہیں، اوریدا کو تو میں کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑ سکتا، اسکی بڑی امّاں نے اسپیشل فون کر کے کہا کہ وہ ولیمے پر ضرور جائے کیونکہ اسکے باپ کی فرمائش ہے یہ۔'' بڑے ابّا کی بات پر اوریدا نے سکون کا سانس لیا۔

''چلیں مرضی ہے آپ کی۔۔۔'' وہ ناراض انداز میں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''بڑے ابّا، گرین ٹی بناؤں آپ کے لیے۔؟ پھر ایک ٹاپک سمجھنا ہے آپ سے۔'' عدینہ نے بے تکلفی سے موضوع تبدیل کرنے کی کوشش کی، اور اس میں کامیاب بھی ہوگئی۔

''ہاں ہاں بیٹا، کیوں نہیں، آج ایک اسپیشل آرٹیکل بھی ڈسکس کرنا تھا آپ سے۔۔'' بڑے ابا کا محبت بھرا انداز بینش کو سلگا کر رکھ گیا۔

''ٹھیک ہے تایا ابا، میں اب چلتی ہوں۔۔۔'' وہ نروٹھے انداز میں گویا ہوئیں۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں، جا کر انتظامات دیکھو، اور ہاں ارضم کو مبارک باد دینا میری طرف سے۔'' بڑے ابّا کا لاپرواہ انداز ان کا دل جلا کر راکھ گیا، انہوں نے بیزاری سے سر ہلایا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی لاؤنج سے نکل گئیں۔ عدینہ، بڑے ابا کو گرین ٹی دے کر اسکے ساتھ بیڈروم میں آ گئی تھی۔

''یہ خاتون پاگل تو نہیں ہیں۔۔۔؟'' عدینہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ناگواری سے کہا۔

''کون۔۔۔؟'' ایک لمحے کو تو اوریدا بالکل نہیں سمجھی۔

''ارصم کی امّاں حضور۔۔۔'' سخت ٹینشن میں بھی عدینہ کا دل جلا انداز اور یدا کے لبوں پر مسکراہٹ لے آیا۔

''یہ شروع سے ایسی ہی ہیں۔۔'' اُس نے کمرے کے پردے ہٹاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

''اگر شروع میں ہی انہیں کسی اچھے سائیکاٹرسٹ کو دیکھا دیا جاتا تو قسم سے۔بہت سے لوگوں کے مسئلے حل ہو سکتے تھے۔'' وہ اسکے پیچھے آن کھڑی ہوئی ،جبکہ اور یدا کی نگاہیں ،لان میں سجائے گئے پنڈال پر جمی ہوئیں تھیں۔اُسے ایسا لگتا تھا جیسے سامنے اسکی مقتل گاہ سجی ہو، جہاں آج اسکی چاہت اور محبت کو تختہ پھانسی پر لٹکایا جانا ہو۔

''کیوں،خود کو اذیت دے رہی ہو۔۔۔'' عدینہ نے بازو پکڑ کر اُسے بیڈ پر بیٹھایا،اور کھڑکی کے پردے برابر کر دیے۔

''مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا،ارصم میرے ساتھ ایسا بھی کر سکتا ہے۔'' اسکی آواز عدینہ کو کسی گہرے کنویں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''محبت کے معاملے میں دنیا کے سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہیں،اور جب انہیں اس چیز کا ادراک ہو جائے کہ کوئی لڑکی انکے عشق میں گرفتار ہے تو وہ اس لڑکی کو اپنی آنکھ کے اشاروں پر چلا کر اپنی مردانگی کی تسکین کرتے ہیں۔مرد ہر معاملے میں صرف حکمرانی چاہتا ہے،جہاں کوئی عورت اسکے آگے گھٹنے ٹیک دیتی ہے،وہیں اسکی اسکا جنون بھی کم ہو جاتا ہے۔'' اسکی صاف گوئی اور یدا کا دل دکھا رہی تھی۔

''ارصم ایسا نہیں تھا۔۔۔'' اُس نے جھجک کر صفائی دینے کی کوشش کی۔

''رہنے دو تم،اچھی طرح پتا چل گیا ہے مجھے،سخت زہر لگتے ہیں ایسے مرد،جو عورت کے کندھوں پر رکھ کر بندوق چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔'' عدینہ نے ناک چڑھا کر اپنی ناپسندیدگی کا برملا اظہار کیا۔

''وہ تو میرے ساتھ آخری حد تک جانے کے لیے تیار تھا۔۔۔'' اُس نے جلدی سے کہا۔

''کون سی آخری حد۔؟ کسی لڑکی کو اپنی بزدلی کی سزا دینا کہاں کا انصاف ہے۔؟'' وہ ناراضی سے گویا ہوئی۔

''بزدلی کی۔۔۔؟؟؟'' اوریدا نے الجھ کر اسکا بیزار چہرہ دیکھا۔

''جب کوئی مرد، اپنی محبت کے لیے اسٹینڈ نہ لے سکے، اُسے اپنے ہی گھر میں وہ مقام نہ دلا سکے، جسکی وہ حقدار ہو، یہ اسکی بزدلی اور ناکامی ہی ہوتی ہے۔'' وہ سر جھٹک کر بیزاری سے بولی۔

''لیکن اگر کوئی مرد اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر اُسے اپناتا ہے تو یہ اسکی محبت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔'' اوریدا نے فوراً اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''یہ میرے نزدیک محبت کا ثبوت نہیں بزدلی کی دلیل ہے۔'' وہ کسی صورت ماننے کو تیار نہیں تھی۔

''وہ کیسے۔۔۔؟'' اوریدا نے بحث کی۔

''کسی لڑکی کو چھپ کر نکاح کی ترغیب دلانا اور پھر اس پر عمل درآمد کروانے کا کام وہی مرد کر سکتا ہے جو اسکی خاطر زمانے والوں سے نہیں لڑ سکتا اور دنیا کی احمق ترین لڑکی وہی ہوتی ہے، جو ایسے شخص کی محبت میں اندھی ہو کر اسکی پیروی کرتی جائے۔ جو اُسے اسکا جائز حق ناجائز طریقے سے دلا کر لوگوں کے انگلیوں کا رخ اسکی جانب کر دیتا ہے۔'' اسکی باتیں اوریدا کے دل میں کھب کر رہ گئیں۔

''تمہیں پتا ہے گھر والوں کی مرضی کے خلاف بھاگ کر شادیاں کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے، ساری زندگی وہ اس لیبل کو نہیں اتار سکتے کل کو انکی اولاد کو بھی اسی پیمانے میں پرکھا جاتا ہے۔'' عدینہ کی باتوں نے اسکے لبوں پر خاموشی کی مہر لگا دی۔ اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور بوا رحمت ہانپتی کانپتی داخل ہوئیں۔

''بڑے صاحب کہہ رہے ہیں تیار ہو جائیں، آٹھ بجے نکلنا ہے۔۔۔'' انہوں نے لاپرواہی سے اپنا پیغام پہنچایا۔

''میرا دل نہیں کر رہا بوا۔۔'' اوریدا نے افسردگی سے جواب دیا۔

''یہاں بیٹھ کر دوسروں کے ڈھول ڈھمکے سن کر کون سا دل خوش ہو گا۔'' بوا رحمت کے انداز میں کچھ تھا، اوریدا نے چونک کر ان کا بے غرض چہرہ دیکھا، وہ اسکے لیے خاصی فکرمند تھیں۔

''اچھا، آپ چلیں، ہم لوگ تیار ہو کر آتے ہیں۔۔۔'' اُس نے بوا کی پریشانی دُور کرنے کے لیے کہا۔

اسی وقت اُس کے سیل فون پر ماہیر کی کال آ گئی، جو اُس نے انتہائی بیزاری سے اٹینڈ کی۔

''تم ٹھیک ہو ناں۔۔۔؟'' ماہیر نے کوئی تیسری دفعہ اُس سے پوچھا تو وہ اچھا خاصا چڑ گئی۔

''بھائی کیا پرابلم ہے آپ کے ساتھ۔؟ آپکو یقین کیوں نہیں آ رہا کہ میں ٹھیک ہوں۔'' وہ بُرا منا کر بولی تو دوسری جانب ماہیر گڑبڑا گیا۔

''دیکھو اوریدا، ماما کی ڈیتھ کے بعد میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ ہر ممکن تمہارا خیال رکھوں، اور مجھے نہیں معلوم، میں اس کوشش میں کتنا کامیاب ہوا ہوں، لیکن بہت سی چیزیں جو مجھے ذاتی طور پر ناپسند بھی تھیں، میں نے صرف اس خیال سے تمہیں نہیں ٹوکا کہ تم ہرٹ ہو نگیں، اور اب بھی میں تمہیں یہی کہوں گا کہ بعض معاملات کو اللہ پر چھوڑ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔'' وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں اُسے سمجھانے کی غرض سے بولا۔

''بھائی، میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔۔۔'' وہ ایک دم شرمندہ سی ہو گئی۔

''ضروری تھوڑا ہوتا ہے کہ ہر بات لفظوں میں ادا کی جائے۔'' وہ لاپرواہی سے گویا ہوا۔

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔۔۔؟'' وہ جھنجھلا گئی۔

''کسی لڑکی کے لیے اسکی عزت اور وقار سب سے اہم چیز ہونی چاہیے، اور ان دونوں پر سمجھوتہ کرنا خود کو دوسروں کی نظروں میں رسوا کرنے کے مترادف ہے۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اُسے بہت کچھ سمجھا گیا۔

''پاپا کی طبعیت کیسی ہے۔۔۔؟'' اوریدا نے دانستہ بات کا رخ بدلا۔

''پہلے سے کافی بہتر ہیں اور ہم لوگ بہت جلد واپس آرہے ہیں۔'' ماہیر کی بات نے اُسے خوشگواریت کا احساس بخشا۔

''اچھا کب۔۔۔؟'' وہ بے تابی سے گویا ہوئی۔

''ابھی کوئی چیز بھی فائنل نہیں ہے، میں بتا دوں گا جیسے ہی کوئی پروگرام کنفرم ہوگا۔'' ماہیر نے اسے تسلی دیتے ہوئے مزید کہا۔ ''یہ لو بڑی امّاں سے بات کرو۔'' بڑی امّاں نے بھی سلام دعا سے چھوٹتے ہی پوچھا۔ ''ارصم کی منگنی پر کون کون جا رہا ہے۔''؟

''کوئی بھی نہیں۔۔۔'' اسکی بات نے بڑی امّاں کو حیران کیا۔

''خیر تمہارے ابا تو ضرور ہی جائیں گے، کوئی اور جائے نہ جائے۔۔۔'' وہ منہ بنا کر بیزاری سے بولیں۔

''بڑے ابّا، میرے اور عدینہ کے ساتھ انکل منصور کے پوتے کے ولیمے پر جا رہے ہیں۔'' اوریدا نے جھٹ سے اطلاع دی۔

''منصور احمد گردیزی کے پوتے کی بات کر رہی ہو ناں۔۔'' انہوں نے تصدیق کے لیے پوچھا۔

''ہاں ایک ہی تو فرینڈ ہیں بڑے ابا کے اس نام کے۔'' اُس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''ان کے پوتے کا ولیمہ تو کل رات ہو گیا ہے، میں نے خود مسز منصور کو مبارکباد کا فون کیا تھا۔'' بڑی امّاں کی بات پر اُسے حیرانگی کا جھٹکا لگا۔ کئی لمحے تک تو

وہ بول ہی نہیں سکی۔

''ہوسکتا ہے، وہ کوئی اور ہوں۔۔'' اُس نے سنبھل کر جواب دیا۔

''تو اب راتوں رات اور کون سا منصور اُگ آیا زمین سے۔۔۔'' وہ بُرا مان گئیں۔

''یہ تو اب بڑے ابا ہی بتا سکتے ہیں۔۔۔'' اوریدا نے اپنی جان چھڑانے کی کوشش کی۔

''ہاں ہوسکتا ہے، لیکن یہ بات مجھے ابھی بھی ہضم نہیں ہو رہی، جلال صاحب، ارصم کا فنکشن کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔؟'' بڑی اماں کا لہجہ حیرانگی میں ڈوبا ہوا تھا لیکن انہیں یہ بات سمجھ میں آئی ہو نہ یا نہ آئی ہو، اوریدا کو کافی حد تک آ گئی تھی۔

وہ رات کو عدینہ اور بڑے ابا کے ساتھ باہر نکلی تو سامنے روشنیوں سے سجے پنڈال کو دیکھ کر اسکے زخم ہرے ہو گئے۔ اسکا خوش فہم دل ابھی بھی کسی انہونی کا منتظر تھا لیکن، وہ انہونی شاید آج کی رات ان کے گھر کا راستہ بھول گئی تھی۔

''ہم نے تو کسی کے ولیمے پر جانا تھا ناں۔۔۔'' عدینہ نے اسلام آباد کلب میں داخل ہوتے ہوئے بڑے تعجب سے ڈاکٹر جلال کا چہرہ دیکھا۔

''میرا موڈ بدل گیا تھا، سوچا آج بیٹھ کر کہیں مزے کا ڈنر کرتے ہیں۔'' انہوں نے مینو کارڈ اٹھاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔ عدینہ کی آنکھوں میں تحیر کے رنگ ابھرے جبکہ اوریدا تو اپنے ہی غم میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کھانے کے دوران بھی عدینہ اور بڑے ابا، میڈیکل سے ریلیٹڈ چیزوں کو ہی ڈسکس کرتے رہے، دونوں ہی اپنے پروفیشن کے معاملے میں کریزی تھے۔ جب کہ اوریدا کا سارا دھیان اُس فنکشن کی طرف تھا۔ جہاں ارصم اپنی زندگی کی نئی شروعات کا پہلا قدم اٹھانے جا رہا تھا۔

''اوریدا اپنا کھانا ختم کرو۔۔۔'' بڑے ابا نے اُسے کسی سوچ میں گم دیکھ کر لاپرواہی سے ٹوکا تو وہ بے دلی سے کھانے لگی۔

''ارے ڈاکٹر جلال آپ۔۔۔؟'' بڑے ابا کے ایک کولیگ انہیں اچانک ہی مل گئے تھے، وہ ان کے ہمراہ گفتگو کرتے ہوئے دوسری طرف نکل گئے۔

''اور یدا، کیا ہو گیا ہے یار، بی بریو۔۔۔'' عدینہ نے افسردگی سے اسکا سوگوار چہرہ دیکھا۔

''پتا نہیں کیا ہو گیا ہے مجھے۔۔۔'' وہ اپنے شدید امڈتے ہوئے جذبات پر بمشکل بند باندھ کر کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

''بے وقوف لڑکی، کیوں تماشا بنواؤ گی اپنا۔۔۔'' اُس نے محبت بھرے انداز سے اُسے ڈانٹا۔

''مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میرا دماغ پھٹ جائے گا، کیوں کر رہا ہے وہ میرے ساتھ ایسا۔؟'' اُس نے ٹشو سے اپنی آنکھوں کو بیدردی سے رگڑا، لیکن آنسو آج بغاوت کے موڈ میں تھے، اس لیے باہر نکل ہی آئے۔

''ٹینشن مت لو، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ قدرے نرم لہجے میں اُسے تسلی دے رہی تھی۔

''کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا، مجھے پتا ہے۔۔۔'' بولتے ہوئے ایک دفعہ پھر اسکی آواز بھاری ہوئی۔

''اچھا اب رونا تو بند کرو، بڑے ابا پریشان ہو جائیں گے۔'' اُس نے فکرمند انداز سے دوسری طرف دیکھا، ڈاکٹر جلال اپنے دوست کے ساتھ شاید لان کی طرف نکل گئے تھے۔

''مجھے لگتا ہے، بڑے ابا جان بوجھ کر ہمیں گھر سے نکال کر لائے ہیں، وہ خود بھی اس فنکشن میں نہیں جانا چاہتے تھے۔'' عدینہ نے بے تکلفی سے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''ہاں، مجھے اندازہ ہے۔۔۔'' اُس نے ٹشو سے اپنا چہرہ رگڑتے ہوئے بوجھل آواز میں مزید کہا۔ ''ایک یہی چیز تو میرے دل کو حوصلہ دے رہی ہے۔''

''لیکن، وہ کیوں کر رہے ہیں ایسا۔۔۔'' عدینہ اس پہیلی کو بوجھنے سے قاصر تھی۔

''کچھ بھی ہو، خون کے رشتے کہیں نہ کہیں تو اپنا آپ منوا ہی لیتے ہیں۔'' وہ لب کاٹ کر رہ گئی۔

رات ساڑے گیارہ بجے کے بعد وہ لوگ واپس آئے تو فنکشن اختتام پذیر ہو چکا تھا، اور اب ملازمین ساری چیزیں سمیٹ رہے تھے۔اوریدا نے دانستہ اُس طرف دیکھنے سے پرہیز کیا اور بھاری دل کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف چلی آئی ،آج کی رات اس کے لیے بہت بھاری تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''تم نے اچھا نہیں کیا اپنے ساتھ۔۔۔''رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا، جب آغا جی لان کی سیڑھیوں پر اسکے ساتھ آکر بیٹھ گئے۔رات کے سناٹے میں ان

کی آواز ارصم کے اعصاب پر کسی ہتھوڑے کی طرح پڑی۔اُس نے زخمی نگاہوں سے انکی طرف دیکھا اور پھر افسردگی سے سر جھکا لیا۔چاند کی روشنی میں وہ اُس تھکے ہارے مسافر کی طرح لگ رہا تھا جو منزل پر آکر بھٹک گیا ہو۔اُسے پہلی دفعہ احساس ہوا تھا کہ اُس نے اپنے پیروں پر خود اپنے ہاتھوں سے کلہاڑی ماری تھی۔اب دل کو عجیب سی بے چینی لاحق ہو گئی تھی۔اس لیے وہ کھلی فضا میں آکر بیٹھ گیا۔

''تو کیا کرتا۔۔؟'' وہ کچھ افسردگی اور بے دلی سے بولا۔

''اگر کسی اور کے لیے اسٹینڈ نہیں لے سکتے تھے تو ارسلہ کے ساتھ انگیج منٹ پھر بھی نہیں کرنی چاہیے تھی تمہیں۔'' وہ ہنوز خشک لہجے میں گویا ہوئے۔

''یہ آپ کہہ رہے ہیں آغا جی۔۔۔''ارصم کو شاک لگا۔

''مجھے تم سے اس قدر کم ہمتی کی توقع نہیں تھی، تمہیں اپنی ماں کو سمجھانا چاہیے تھا۔'' آغا جی کی بات پر اسکی پریشانی بڑھ گئی۔

''سب کچھ آپ کے سامنے ہی تو تھا آغا جی، میں نے انکار کیا اور ممی کا بلڈ پریشر شوٹ کر گیا۔'' اُس نے گھبرا کر وضاحت دی۔

''تم نے چیک کیا تھا اسکا بی پی۔۔۔؟'' انہوں نے خفگی سے بھرپور نگاہوں سے اُسکی طرف دیکھا۔

''نہیں۔۔۔'' وہ بوکھلا گیا۔

''پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو۔۔۔؟'' وہ طنزیہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھ رہے تھے۔

''وہ ماں ہیں میری، جھوٹ تھوڑا بولیں گی مجھ سے۔۔'' وہ گڑبڑا سا گیا۔

'' ٹھیک ہے کل کو وہ کہے گی ارسلہ کے ساتھ باہر شفٹ ہو جاؤ تو کیا تب بھی چلے جاؤ گے۔؟'' آغا جی نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

''ہرگز نہیں۔۔۔'' اُسے کرنٹ لگا۔

''اور تب بھی تمہاری ماں کا بلڈ پریشر شوٹ کر گیا تو۔۔۔؟'' وہ آج مکمل طور پر اسکی کلاس لینے کے موڈ میں تھے۔

''آپ نے بھی تو میرا ساتھ نہیں دیا۔۔۔'' وہ منہ بنا کر بولا۔

''تم نے تو پہلے ہی مرحلے پر ہتھیار ڈال دیے تھے، یہ منگنی اتنی بھی ضروری نہیں تھی، اگر تمہاری پھپھو کو اتنی ہی چاہ تھی تو وہ دوبارا ابھی پاکستان آسکتی تھیں، لیکن، افسوس تم نے سمجھداری کا مظاہرہ نہیں کیا۔۔'' انہوں نے صاف گوئی سے کہا۔

''آغا جی، میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔۔۔'' اُس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

''تو ٹھیک ہے اگر یہ فیصلہ کیا ہے تو پھر نبھانا بھی پڑے گا تمہیں۔۔'' وہ سپاٹ لہجے میں کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

ارصم نے بوکھلا کر ان کی طرف دیکھا، وہ یہ بات ان کو کبھی بھی نہیں بتا سکتا تھا کہ یہی سوچ تو اُس کا سارا سکون غارت کر چکی تھی۔ آغا جی اُسے مزید الجھنوں میں مبتلا کر کے اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ وہ بے چینی سے اٹھ کھڑا ہوا اور ٹہلنے لگا۔ اچانک اسکی نظر بڑے ابّا کے پورشن کی طرف پڑی، اُس نے سر اٹھا کر

ان کے فرسٹ فلور کی طرف دیکھا۔اوریدا کے کمرے کی لائیٹ جل رہی تھی۔

وہ ٹہلتا ہوا ان کی طرف آ گیا اور اسی سیڑھی پر آ کر بیٹھ گیا، جو اوریدا کی پسندیدہ جگہ تھی۔۔۔۔بے شمار سوچوں نے اسکا دامن جکڑ رکھا تھا۔ابھی تو کسی اور کے ساتھ بندھے تعلق کو چند گھنٹے ہی گذرے تھے، پچھتاوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

"یہ میں نے کیا کر لیا۔۔۔" وہ بے بسی کے گہرے احساس کے زیر اثر اپنے ہاتھ مسل رہا تھا۔اُسے احساس ہی نہیں ہوا، کبھی بڑے ابا کے پورشن کا مین دروازہ کھلا اور وہ سگار لیے باہر نکلے۔

"ارصم۔۔۔تم۔۔۔" انہیں باہر نکلتے ہی جھٹکا لگا۔

"السلام علیکم بڑے ابا۔۔۔" اُس نے گھبرا کر خفت زدہ انداز میں انہیں سلام کیا۔

"تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو۔۔؟" ان کا سپاٹ لہجہ ارصم کی روح فنا کر گیا۔

"کچھ نہیں بڑے ابا، نیند نہیں آ رہی تھی، اس لیے ٹہلتا ہوا ادھر آ گیا۔۔" اُس نے گھبرا کر صفائی دی۔

"نیند نہیں آ رہی تو کوئی ٹرینکولائز لو اور سو جاؤ۔۔۔" ان کا لہجہ بڑا روکھا اور خشک سا تھا، ارصم نے حیرانگی سے ان کی طرف دیکھا، جو اپنا سگار لیے لان کی روش
پر ٹہل رہے تھے۔اُسے پہلی دفعہ احساس ہوا کہ ان کے انداز میں ایک محسوس کی جانے والی بے رخی ہے۔

"آپ کیوں جاگ رہے ہیں اس وقت۔۔۔؟" وہ کچھ سوچ کر ان کے پاس آ کر فکر مند انداز میں بولا۔

"جن گھروں میں جوان بیٹیاں ہوں، وہاں بوڑھے والدین کی نیندیں ایسے ہی اڑ جاتی ہیں۔کوئی پتا تھوڑی چلتا ہے، کون کس وقت چور دروازے سے اندر داخل ہو کر آپکی عزت سے کھیل جائے۔"

بڑے ابا کا لہجہ جتاتا ہوا اور آنکھوں میں اس قدر سرد مہری تھی کہ ارصم کے لیے ایک قدم بھی اٹھانا مشکل ہو گیا۔

اُس نے بوکھلا کر بڑے ابا کا چہرہ غور سے دیکھا، جہاں آج اُس کے لیے اجنبیت، بیگانگی اور خفگی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

''بڑے ابا، آپ مجھ سے خفا ہیں کیا۔۔۔؟'' اُس کے منہ سے بے اختیار پھسلا۔

''میں تم سے کیوں خفا ہوں گا۔۔؟'' انہوں نے جواباً طنزیہ نگاہوں سے اسکی طرف ایسے دیکھا کہ ارصم کو ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بڑھتا ہوا اپنے پورشن کی طرف بڑھ گیا۔

''لگتا ہے بڑے ابا بھی اس منگنی کی وجہ سے ناراض ہو گئے ہیں مجھ سے۔۔۔'' وہ اپنے پورشن کی طرف بڑھتے ہوئے انکی ناراضی کی وجہ ڈھونڈ چکا تھا۔

''ہائے ارصم۔۔۔'' اُس نے جیسے ہی ٹی وی لاؤنج میں قدم رکھا صوفے کے اندر دھنسی ہوئی ارسلہ اُسے دیکھ کر پرجوش ہوئی۔ اُس نے تنگ جینز کے اوپر

چھوٹا سا ٹاپ پہن رکھا تھا۔ ارصم نے بے ساختہ اپنی نظریں ٹی وی کی طرح مبذول کیں، اور وہاں انگلش مووی کا ایک بے ہودا سا منظر چل رہا تھا۔

''استغفراللہ۔۔۔'' اُس نے جلدی سے ریموٹ اٹھا کر چینل تبدیل کیا۔

''تم کیا فضولیات دیکھتی رہتی ہو۔۔۔'' اُس نے منہ بنا کر ناگواری کا اظہار کیا۔

''ان تھرڈ کلاس پاکستانی پولیٹیکل شوز سے تو اچھی ہی ہوتی ہیں یہ موویز۔۔۔'' ارسلہ کو بھی غصّہ آ گیا۔

''مجھے سخت ناپسند ہیں ایسی چیزیں۔۔۔'' اُس نے ریموٹ کنٹرول صوفے پر اچھالا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

''جسٹ آ منٹ ارصم۔۔۔'' وہ بھاگ کر اُس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

''فرمائیے۔۔۔'' اُس نے اپنے اندر بے ساختہ اٹھتی ہوئی ناگواری کی لہر کو بمشکل دبایا۔

''میں آج کے فنکشن میں کیسی لگ رہی تھی۔۔'' وہ اپنی ناراضی بھلائے بڑی دوستانہ مسکراہٹ کے

ساتھ بولی۔

''اچھی۔۔'' اُس نے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑانا چاہی۔

''سب کہہ رہے تھے، پرپل کلر مجھ پر بہت سوٹ کر رہا ہے۔اُس نے فخریہ لہجے میں گردن اٹھا کر کہا۔

''تم نے آج پرپل کلر پہنا تھا کیا۔۔۔'' ارصم کے منہ سے بے ساختگی میں نکلنے والا یہ جملہ ارسلہ کا چہرہ تاریک کر گیا۔

''کیا تمہیں یہ بھی نہیں پتا، میں نے آج پرپل کلر کی میکسی پہنی تھی۔۔۔'' وہ جھنجھلا گئی۔

''نن نہیں تو۔۔۔''خطرے کی گھنٹی ارصم کے ذہن میں بجی۔

''جھوٹ مت بولو، ممی ٹھیک کہہ رہی تھیں تمہارا ذہن کہیں اور تھا پورے فنکشن میں۔۔'' وہ خفا ہوئی۔

''ناٹ ایٹ آل یار، ایسا کچھ نہیں ہے، بس کلرز کے معاملے میں مجھے کچھ پتا نہیں چلتا، سارے ایک جیسے ہی لگتے ہیں۔''اُس نے گھبرا کر صفائی دی، دوسری

صورت میں اُسے پتا تھا کہ ارسلہ اتنی آسانی سے یہ بات نہیں چھوڑے گی۔

''تم سچ کہہ رہے ہو ناں۔۔۔'' اُس نے بے یقین نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا۔

''آف کورس یار، بے شک ممی سے پوچھ لینا۔۔''اُس نے دانستہ لاپرواہ انداز اپنایا۔

''اچھا، پھر ٹھیک ہے۔۔۔''وہ کچھ مطمعن ہوئی تو ارصم نے سکون کا سانس لیا۔

''بات سنو، وہ تمہاری کزن اور اسکے گرینڈ فادر کیوں نہیں آئے تھے فنکشن میں۔؟''اُس کی اگلی بات نے پھر ارصم کا سارا سکون درہم برہم کر دیا۔

''وہ لوگ کہیں اور انوائیٹڈ تھے۔۔۔'' اُس نے نظریں چرا کر وہی بات دہرائی، جو بینش بیگم پورے فنکشن میں سب کے سامنے کہہ رہیں تھیں، یہ اور بات وہ پوری تقریب میں بڑے ابا کے نہ آنے پر بُری طرح تلملاتی رہیں تھیں۔

''یہ کیا بات ہوئی، ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے انہیں سب سے پہلے تمہیں امپورٹینس دینی چاہیے تھی۔''

ارسلہ نے برملا اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

''بھئی اس ٹاپک پر صبح بات کریں گے، میں بہت تھک چکا ہوں۔'' ارصم نے اُس سے جان چھڑانے کے لیے جمائی لی اور فوراً سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

ارسلہ کو شدید کوفت کا احساس ہوا اور وہ پاؤں پٹختی ہوئی دوبارا ٹی وی لاؤنج کی طرف بڑھ گئی ارصم اُسے بار بار مایوس کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کاسنی بادلوں نے صبح سے آسمان پر ڈیرے جمار کھے تھے۔ موسم کی خوبصورتی بھی اس گھر کے مکینوں کے دلوں پر کوئی خوشگوار اثر چھوڑنے سے قاصر تھی۔ بندیا ابھی ابھی اپنے لوہے کے ٹرنک کے ساتھ گاؤں سے دوبارا شہر پہنچی تھی۔ اُس کے چہرے پر ایک محسوس کی جانے والی کوفت نما بیزاری تھی۔

''خیر ہے تمہاری امّاں نے کہیں اس دفعہ پٹائی تو نہیں کر دی تمہاری۔؟'' بینش نے اپنے مخصوص تیکھے انداز میں اُسے چھیڑا۔

''نہیں۔۔'' اُس نے اپنے لوہے کے صندوق سے کپڑے نکالتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

''منشی چچا بتا رہے تھے، تمہاری منگنی ہو گئی ہے۔۔'' بینش نے وہ خبر بریک کر ہی دی تھی، جو وہ اُس سے چھپانا چاہ رہی تھی۔

''ہاں۔۔۔'' اُس نے مختصرا جواب دیا۔

''تمہاری انگیج منٹ رنگ کہاں ہے۔۔۔'' بینش تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اُس کے پاس چلی آئی۔

''وہ تو آتے ہوئے امّاں نے لے لی تھی۔۔۔'' اُس نے بے خیالی میں بتایا۔

''تو منگنی تمہاری ہوئی ہے یا تمہاری امّاں کی۔۔۔'' بینش استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ ''ہاں انہوں نے سوچا

ہوگا، اتنی قیمتی چیز شہر میں کہیں گم ہی نہ جائے، گولڈ کی تھی ناں رنگ۔" ؟وہ مزے سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"ہاں۔۔۔" وہ افسردگی سے اپنے کپڑے الماری میں ہینگ کرنے لگی۔

"ارے، یہ تمہارا شگن کا جوڑا ہے کیا۔۔۔؟" اُس نے ایک سرخ رنگ کا ٹشو کا دوپٹہ اٹھایا جس پر سنہری رنگ کی کرن لگی ہوئی تھی۔

"اوہ مائی گاڈ،تم نے یہ دوپٹہ اوڑھا تھا۔۔۔" وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر زور زور سے ہنسنے لگی، کمرے میں داخل ہوتے تیمور نے یہ منظر بہت ناگواری سے دیکھا۔

بندیا کی آنکھوں میں ٹھہرے ہوئے آنسو اور بینش کا تضحیک آمیز انداز اُسے بہت کچھ سمجھا گیا تھا، اُسے اندر آتے دیکھ کر بینش کی ہنسی کو بریک لگی، وہ بہت دن

بعد ان کے پورشن کی طرف آیا تھا۔ بندیا کے دل کی دھڑکنیں بے ربط ہوئیں۔ وہ دانستہ رخ موڑ کر کھڑی ہوگئی۔

"ارے تیمور تم۔۔۔؟" بینش بے تابی سے کھڑی ہوئی۔ اسکی آنکھوں میں ایک ساتھ کئی جگنو چمکے۔

"بندیا، تمہیں امّاں بلا رہی ہیں۔۔" وہ بینش کو نظر انداز کر کے اُس سے مخاطب ہوا تو وہ بوکھلا کر مڑی۔

"تمہیں پتا ہے بندیا کی منگنی ہوگئی ہے اور کچھ عرصے بعد شادی۔"بینش نے تیمور کے اعصاب پر بم گرایا۔

"اچھا، مبارک ہو۔۔۔" وہ خشک انداز میں گویا ہوا تو بینش پر گھڑوں پانی پھر گیا۔

"میں جا رہا ہوں، کچھ دیر بعد آ جانا۔۔۔" وہ جلدی سے مڑ گیا۔

"تائی امّاں کیوں بلا رہی ہیں اسے۔۔۔"بینش کے کان کھڑے ہوئے۔

"انکی طبیعت ٹھیک نہیں، دلیہ بنوانا ہے، جو کم از کم تمہیں تو بنانا آتا ہوگا نہیں۔" وہ اسکی طنزیہ بات پر خفت کا شکار ہوئی۔

''ظاہر ہے ایک میڈیکل کی اسٹوڈنٹ کو کہاں آتے ہونگے ایسے کام۔'' اُس نے ہلکا سا سنبھل کر صفائی دی۔

''بندیا، جلدی آجانا تم۔۔۔'' وہ مڑے بغیر دوبارا بولا اور کمرے سے نکل گیا۔

''تھینکس گاڈ، اسکا موڈ کچھ تو بہتر ہوا۔ پتا ہے آج کتنے دنوں کے بعد اس نے مجھ سے بات کی ہے۔'' وہ اپنی ہی دھن میں خوشی سے بولی۔

''ہوں۔۔۔'' اُس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

''ایک تو تم گاؤں چلی گئیں، اوپر سے تیمور کوئی لفٹ نہیں کروا رہا تھا مجھے، مت پوچھو، کتنی بور ہوئی ہوں میں پچھلے دنوں۔'' وہ منہ بنائے گذشتہ دنوں کا احوال بتانے لگی، بندیا نے جلدی جلدی کپڑے سمیٹنے شروع کیے، اسکا تمام تر دھیان تیمور کی طرف تھا۔

''تائی امّاں کی طرف جا رہی ہو کیا۔۔۔؟'' وہ دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی، جب بینش نے اُسے پیچھے سے پکارا۔

''ہاں۔۔۔'' اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''جلدی واپس آجانا، پھر اکٹھے مل کر چائے پئیں گے۔۔'' بینش کا موڈ آج کافی خوشگوار تھا۔ وہ سر ہلا کر عجلت بھرے انداز میں گھر سے نکل آئی، جیسے ہی وہ

اپنا لان کراس کر کے تیمور کی سائیڈ پر آئی، وہ لان میں کھڑا پائپ سے پودوں کو پانی دے رہا تھا، اُسے دیکھ کر اُس نے پائپ زمین پر پھینکا، پانی کا نل بند کیا

اور اسکے پاس چلا آیا۔

''امّاں نے نہیں بلایا، مجھے تم سے ضروری بات کرنی تھی۔'' وہ خاصا سنجیدہ لگ رہا تھا۔

''کیا ہوا۔۔۔؟؟؟'' بندیا کا دل بُری طرح دھڑکا۔

''ادھر آؤ میرے ساتھ۔۔۔'' وہ اسکا بازو پکڑ کر گھر کے پچھلے پچھواڑے کی طرف لے آیا، وہاں ایک چھوٹا سا لان تھا، جہاں قطار میں کئی درخت لگے ہوئے تھے، وہ دونوں شیشم کے ایک گھنے درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔

''میرے والدین نے میری منگنی کر دی ہے۔۔۔'' وہ اپنے ہاتھوں کو مسلتی ہوئی تیمور کو خاصی پریشان لگی۔

''کوئی بات نہیں، ادھر بابا بھی میرے نکاح کا پروگرام بنا رہے ہیں۔'' تیمور کے انکشاف پر اُس نے ہراساں نگاہوں سے اسکی جانب دیکھا۔

''پھر، اب کیا ہو گا۔۔۔؟'' وہ خوفزدہ ہو گئی۔

''فکر مت کرو، میں آج بڑی اماں سے بات کروں گا۔'' اُس نے نرم لفظوں سے اُسے دلاسا دیا۔

''لیکن میرے امی، ابا تو کبھی بھی نہیں مانیں گے۔۔۔'' بندیا نے اُسے کسی غلط فہمی میں رکھنا مناسب نہیں سمجھا۔

''مجھے معلوم ہے، کیونکہ منشی چاچا جانتے ہیں میری اور بینش کی بات چیت طے ہے اور وہ مر کر بھی تمہارا رشتہ نہیں دیں گے ہمیں۔'' وہ ضرورت سے زیادہ آگاہ تھا، اسکی بات پر بندیا نے حیرانگی سے اسکی طرف دیکھا۔ ''پھر سب کچھ کیسے سیٹ ہو گا۔؟''

''ہمیں کوئی بولڈ اسٹیپ لینا ہو گا۔۔۔'' وہ پراعتماد انداز میں بولتا ہوا اسکے چھکے اڑا گیا۔

''میں ڈیزی باجی کی طرح بہادر نہیں ہوں۔۔۔'' وہ گھبرا سی گئی۔

''ڈیزی جیسے قدم بہادر لوگ نہیں، خود غرض اور بے حس لوگ اٹھاتے ہیں۔'' وہ تلخی سے گویا ہوا۔

''پھر۔۔۔؟؟؟'' بندیا کو بے چینی ہوئی، وہ جلد از جلد جان لینا چاہتی تھی کہ وہ کیا قدم اٹھانا چاہتا ہے، لیکن آگے بھی تیمور جلال تھا، جو ہر معاملے میں حد درجہ محتاط اور اپنا نفع و نقصان دیکھ کر قدم اٹھانے والا۔

''میں امّاں کو اعتماد میں لوں گا۔۔۔'' اس کی بات نے بندیا کو بوکھلا دیا۔

''تائی اماں کو۔۔۔۔'' اُس نے تصدیق کے لیے پوچھا۔

''ہاں۔۔۔'' وہ مطمعن انداز میں اُس کے سامنے کھڑا تھا۔

''پلیز ایسا مت کیجیے گا، وہ میرے بارے میں کیا سوچیں گی۔۔۔''بندیا کو ایک نئی فکر لاحق ہوگئی۔

''ڈونٹ ووری، وہ تمہارے مزاج کو اچھی طرح جانتی ہیں۔۔۔''اُس نے مسکرا کر اُسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

''لیکن۔۔۔'' وہ ابھی تک حواس باختہ تھی۔۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں، تم مجھ پر بھروسہ رکھو بندیا۔ انشاءاللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' اُس نے شرارت سے شیشم کا ایک بھاری تنا ہلایا، کئی پتے ایک ساتھ دونوں پر آن گرے، بندیا، ایک دم ڈر کر ہلکا سا پیچھے ہٹی، تیمور قہقہہ لگا کر ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس ویک اینڈ پر عدینہ بغیر بتائے ہی گھر آ گئی تھی۔ شام کا وقت تھا اور جب اُس نے گھر میں قدم رکھا فضاؤں میں مغرب کی اذانیں گونج رہیں تھیں۔ آپا صالحہ وضو کر کے غسل خانے سے نکلیں اور اندر داخل ہوتی عدینہ کو دیکھ کر انہیں جھٹکا لگا، جبکہ دوسری طرف عدینہ، آپا صالحہ کا نقاہت زدہ وجود دیکھ کر ایک دم حیران ہوئی، اُس نے ہاتھ میں پکڑا بیگ زمین پر پھینکا اور عجلت بھرے انداز میں ان کے پاس پہنچی۔

''آپا کیا ہوا ہے آپکو، طبعیت تو ٹھیک ہے ناں۔؟''اُس نے فکر مند انداز میں جلدی سے ہاتھ لگا کر ان کا ماتھا چھوا، آپا صالحہ کو مسیحائی کی تاثیر روح تک اترتی محسوس ہوئی۔

''ہاں ہاں ٹھیک ہوں، معمولی سا نزلہ زکام ہے۔۔۔''آپا صالحہ نے دانستہ لاپرواہ انداز اپنایا۔

''لیکن کب سے ہے۔۔۔؟'' وہ ان کا بازو پکڑ کر پریشانی سے برآمدے میں لے آئی۔

''پچھلے ایک ہفتے سے۔۔۔'' عدینہ کے چہرے پر پھیلے تفکر کے سائے دیکھ کر انہوں نے جلدی سے وضاحت دی۔

''موسم بھی تو تبدیل ہو رہا ہے ناں۔''

''آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا، میں اور یدا کے دادا سے اچھی سی میڈیسن لکھوا دیتی۔'' وہ ان کے ساتھ برآمدے میں رکھے لکڑی کے تخت پر بیٹھ گئی۔

''اچھا، اب لکھوا لینا، پہلے یہ عبایہ تو اتار لو۔۔'' انہوں نے مسکرا کر اُسے مطعن کرنے کی کوشش کی۔

''مجھے تو آپکی شکل دیکھ کر شاک لگا ہے، لگتا ہے آپکا ایچ بی بھی خاصا کم ہے، رنگ دیکھا ہے آپ نے اپنا۔'' وہ بے تکلفی سے اپنا عبایہ اتارتے ہوئے پریشانی کا اظہار کر رہی تھی۔

''ارے عدینہ باجی آپ۔۔۔'' کچن سے نکلتی مونا اُسے دیکھ کر ایکدم خوش ہوئی۔

''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں آپا، بیمار ہیں۔۔۔'' وہ اُس پر خفا ہوئی۔

''میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔۔۔'' مونا نے آپا کی تنبیہی نظروں سے گھبرا کر جھوٹ بولا۔

''تمہاری یاداشت دن بہ دن کچھ زیادہ خراب نہیں ہوتی جا رہی، صبح و شام بادام بھگو کر کھایا کرو۔'' عدینہ نے اسکی کلاس لی۔

''مونا، عدینہ کے لیے کھانا لاؤ۔۔۔؟'' آپا صالحہ نے اسکی توجہ دوسری جانب مبذول کروانے کے لیے کہا۔

''کھانا نہیں، صرف چائے پیئوں گی، وہ بھی کڑک سی۔۔۔'' عدینہ کا دھیان بٹ گیا تھا۔

''اچھا، پہلے آپکا بیگ اندر رکھ آؤں۔۔'' مونا نے بھاگ کر اسکا سامان اُٹھایا اور اگلے ہی لمحے اسکی کمر دہری ہو گئی۔ ''استغفر اللہ، عدینہ باجی، کیا اس بیگ میں اینٹیں بھر کر لائی ہیں آپ۔''؟ اُس نے غصّے

سے بیگ زمین پر رکھ دیا۔

''اینٹیں نہیں، میڈیکل کی بھاری بھاری کتابیں ہیں، تم رکھ دو اسے، میں خود اٹھالوں گی۔'' عدینہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

''کتنے دن کے لیے آئی ہو۔۔۔؟'' آپا صالحہ نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔

''دو دن کے لیے۔۔۔'' اُس کے جواب پر وہ کچھ مطمئن ہوئیں۔

کھانا کھا کر اُس نے مغرب کی نماز پڑھی اور آپا صالحہ کے کمرے میں چلی آئی، وہ ہلکا سا کھیس اوڑھے لیٹیں ہوئیں تھیں، اُس کے آنے سے پہلے آپا نے اپنی ساری ادویات الماری میں چھپا کر رکھ دی تھیں۔ وہ عدینہ کو اپنی بیماری کے سلسلے میں مشکوک کرنا نہیں چاہتی تھیں۔

''آپ کی میڈیکل فائل کہاں ہے۔؟؟؟'' اسکی بات پر وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھیں۔

''تم نے کیا کرنی ہے۔؟'' انہوں نے کھوجتی نگاہوں سے اپنی بیٹی کا سادہ سا چہرہ دیکھا، وہ ان کے پاس آ بیٹھی تھی۔

''سوچ رہی ہوں، اس دفعہ ساتھ لے جاؤں، اور یدا کے دادا کو دیکھاؤں گی۔''

''تو جاتے ہوئے لے جانا، ابھی تھوڑا ریسٹ کرلو، سفر کرکے آئی ہو۔'' انہوں نے اُسے ٹالنے کی کوشش کی۔

''آپ کے پاس لیٹ جاؤں۔۔۔'' اسکے معصومانہ انداز پر وہ مسکرا دیں۔

''مسکرا کیوں رہیں ہیں آپ۔۔۔؟'' وہ فوراً مشکوک ہوئی۔

''اس لیے، کہ ایسی کوئی فرمائش تم نے کبھی بچپن میں نہیں کی تھی، جواب کرنے لگی ہو۔'' انہوں نے بھی بغیر کسی لگی لپٹی کے کہا۔

''بچپن میں تو مجھے آپ سے ڈر ہی بہت لگتا تھا۔۔۔'' وہ جلدی سے ان کے پاس آ کر لیٹ گئی، آپا نے

اُسے اپنے قریب کرلیا۔ وہ ان کے ساتھ تقریباً لپٹ ہی گئی تھی۔ ''کیوں اب نہیں لگتا کیا۔۔؟'' انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

''نہیں، اب نہیں لگتا۔۔۔'' اُس نے آپا کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ لیا۔ آپا کو اس کے لمس نے گہری طمانیت کا احساس بخشا تھا۔ کمرے میں ایک معنی خیز سی خاموشی

کے لمحات ڈیرہ ڈال کر بیٹھ گئے۔

''آپا، آپکو ایک بات بتانی تھی۔۔۔'' وہ ان کے کانوں میں سرگوشی کے انداز میں بولی۔

''ہاں بولو۔۔۔'' انہیں اسکا انداز غیر معمولی سا لگا۔

''پہلے وعدہ کریں، مجھ سے خفا نہیں ہونگیں۔۔'' آپا صالحہ بے چین ہوئیں۔

''کیا بات ہے عدینہ، پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو۔۔؟'' انہوں نے عجلت بھرے انداز میں کہا۔

''آپ وعدہ کریں۔۔۔'' آپا کو وہ آج پانچ سال کی معصوم بچی لگی تھی۔

''اچھا، نہیں ہوتی۔۔'' انہوں نے بادل نخواستہ کہا۔ جب کہ عدینہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''آپ کو پتا ہے آپا۔۔؟'' وہ رکی۔

''کیا، بولو ناں۔۔۔؟'' انہیں عجیب سی بے چینی لاحق ہوئی۔

''عبداللہ زندہ ہے۔۔۔'' عدینہ کے تین لفظی جملے پر انہیں شاک لگا۔ ایک لمحے کو تو انہیں لگا جیسے انہیں سننے میں غلطی ہوئی ہو۔

''کون زندہ ہے۔۔۔؟؟؟'' آپا صالحہ کی آواز اُسے کنویں میں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی، کمرے میں چائے کی ٹرے لیے اندر داخل ہوتی مونا بھی تجسس سے مجبور ہو کر دروازے میں رک گئی۔

''عبداللہ۔۔۔'' عدینہ نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔ مونا بوکھلا کر اندر چلی آئی، اُسے لگا تھا جیسے چائے کی ٹرے اُس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے گی۔ اُس نے

جلدی سے ٹرے سائیڈ میز پر رکھی اور ان کے پلنگ کے پاس آن کھڑی ہوئی۔

''تمہیں کس نے بتایا۔؟؟؟'' آپا صالحہ نے سنبھل کر سپاٹ لہجے میں پوچھا۔انہوں نے کوئی خاص ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا،عدینہ کو تھوڑی سی مایوسی ہوئی۔

''ایک سڑک پر اچانک ملاقات ہوئی تھی میری۔۔'' عدینہ کی بات پر بھی ان کا چہرہ سپاٹ رہا۔

''پھر وہ میرے کالج بھی آیا تھا۔۔''اس بات وہ تھوڑا بے چین ہوئیں۔

''لیکن میں نے اُسے سختی سے منع کر دیا کہ وہ دوبارا وہاں نہ آئے۔'' اسکے اس جملے نے آپا کی ڈوبتی ابھرتی نبضوں کو زندگی کا احساس بخشا۔

''میں نے اچھا کیا ناں۔۔۔؟''عدینہ نے ڈرتے ڈرتے انکی طرف دیکھا۔آپا کے چہرے پر ایک مبہم سی مسکراہٹ،جبکہ مونا کا چہرہ ناراضی کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔وہ احتجاجی نگاہوں سے اُسے گھور رہی تھی جواب بڑے مطمعن انداز سے آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔جب کہ آپا صالحہ کا سارا سکون برباد ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شائستہ بیگم کے لب حیرت کی زیادتی سے کھلے اور پھر بند ہونا بھول گئے۔ان کی آنکھوں میں خوف، حیرت اور پریشانی کے ملے جلے رنگ تھے،وہ بے یقینی سے تیمور کی طرف دیکھ رہی تھیں،جنہوں نے تھوڑی دیر پہلے ہی ان کی سماعتوں میں صور پھونکا تھا۔

''پاگل تو نہیں ہو گئے ہو۔۔۔'' وہ بوکھلا کر ننگے پاؤں اٹھیں اور اپنے بیڈ روم کا دروازہ اندر سے لاک کیا،اس پر بھی بس نہیں چلا تو کھڑکیوں کے پردے بھی اچھی طرح آگے کر دیئے تھے،لیکن ابھی بھی ان کے اندر ایک بھونچال برپا تھا۔

''میں کسی قیمت پر بھی بینش سے شادی نہیں کروں گا۔۔۔'' ان کا لہجہ بے لچک تھا۔

''لیکن بینش کی جگہ بندیا۔۔۔؟؟؟'' انہیں یہ بات بھی ہضم نہیں ہورہی تھی۔

''تمہارا باپ زندہ زمین میں دفن کردے گا تمہیں۔۔۔'' انہوں نے اُسے ڈرانا چاہا۔

''تو ٹھیک ہے، میں پھر لندن میں اپنی ایک انگریز کلاس فیلو سے شادی کرلوں گا۔'' تیمور کی اگلی تجویز پر انہیں ایک اور زوردار کرنٹ لگا۔

''کون سی کلاس فیلو۔۔۔؟'' وہ ایک دفعہ پھر بوکھلائیں۔

''میرے ساتھ پڑھتی ہے، اور پسند کرتی ہے مجھے۔۔۔'' وہ سپاٹ انداز سے گویا ہوا۔

''عیسائی ہے وہ۔۔۔؟''

''ہاں۔۔۔'' اُس نے نظریں چرا کر کہا۔

''کیا ہوگیا ہے تیمور تمہیں، کیا تم بہن بھائیوں نے قسم کھا رکھی ہے کہ اپنی ماں کو کوئی خوشی نہیں دو گے۔''؟ وہ خفا ہوئیں۔ ''شرم آنی چاہیے، تم سب کو۔''

''اس گھر میں رہ کر آپ کی کسی اولاد کو کوئی خوشی نہیں ملے گی۔۔'' وہ حد درجہ بدگمان تھا۔

''لیکن بندیا کا باپ کبھی بھی تمہارے چچا کی نمک حرامی نہیں کرے گا۔'' انہوں نے کچھ سوچ کر کہا۔

''اس لیے اسکا خیال بھی دل سے نکال دو۔''

''اسی لیے تو کہہ رہا ہوں، آپ کسی مولوی کو بلوا کر نکاح پڑھوا دیں میرا، ایک ڈیڑھ ماہ میں، میں بندیا کے ڈاکومنٹس تیار کروا کر لے آؤں گا، اور ہم لوگ خاموشی سے یہاں سے چلیں جائیں گے۔'' اُس نے اپنے ارادوں سے آگاہ کیا۔

''دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا۔؟ میں کسی کی بچی کے ساتھ ایسا کیوں کروں۔؟'' وہ ٹھیک ٹھاک بُرا منا گئیں۔

''تو پھر ٹھیک ہے، تیار ہو جائیں، آپکے میاں صاحب نے آپکی اولاد کے ساتھ بُرا کرنے کا پورا پروگرام

ترتیب دے دیا ہے۔'' وہ تلخ انداز میں گویا ہوا تو انہوں نے نا سمجھ انداز میں اسے دیکھا۔

''آپکو پتا ہے ابا نے طیبہ کا رشتہ سلیمان چچا کے بڑے بیٹے سے طے کر دیا ہے، جو ایف اے فیل ہے۔'' تیمور نے ان کی سماعتوں پر ایک اور بم گرایا۔

''کیا صلاح الدین سے۔۔۔؟؟؟'' ان کا رنگ فق ہوا۔ صلاح الدین، ان کے میاں کے کزن کا بیٹا تھا۔

''ہاں صلاح الدین سے جو طیبہ سے پورے سترہ سال بڑا ہے، اور بابا، میرے جانے سے پہلے پہلے طیبہ کا نکاح کرنا چاہتے ہیں۔'' تیمور ناراضگی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ انہیں پہلی دفعہ اس کی پریشانی کھل کر سمجھ آئی۔

''تمہیں کس نے بتائی ہیں یہ ساری باتیں۔۔۔؟'' انہیں یقین نہیں آیا۔

''میں نے خود اپنے کانوں سے سنی ہیں، انہوں نے سلیمان چچا کو کل اپنے ہوسپٹل میں بلوا رکھا تھا۔'' وہ بیزاری سے گویا ہوا۔

''کیا سلیمان بھائی مان گئے۔۔۔؟''

''ظاہر ہے ان کے نالائق بیٹے کو گھر بیٹھے ایک ڈاکٹر لڑکی کا رشتہ مل رہا ہے، وہ کیوں انکار کریں گے۔'' تیمور نے بُرا سا منہ بنایا۔

''لیکن تمہارے بابا نے مجھ سے تو کوئی ذکر نہیں کیا، اور طیبہ کا بھلا کیا جوڑ بنتا ہے صلاح الدین سے۔۔۔؟'' ان کی تیوری کے بل گہرے ہوئے۔

''اب وہ ڈیڈی کی غلطی کی سزا ہم سب لوگوں کی بے جوڑ شادیاں کر کے دیں گے ہمیں، اور آپکو بھی عین ٹائم پر بتائیں گے، تا کہ کوئی احتجاج بھی نہ کر سکے۔'' وہ ان سے ٹھیک ٹھاک ناراض تھا۔ اس کا اظہار اسکے لہجے سے بخوبی ہو رہا تھا۔

''دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارے باپ کا، اپنی انیس سال کی بیٹی کی شادی اُس لفنگے، زمیندار سے کریں گے۔''انہیں غصّہ آیا۔

''آپ جتنا مرضی شور مچالیں، لیکن ہوگا وہی جو وہ چاہیں گے۔۔۔''تیمور نے ان کو تلخ حقیقت سے آگاہ کیا تو وہ تھوڑا مدھم ہوئیں، اس بات کا احساس تو انہیں بھی اچھے طریقے سے تھا۔ڈیزی کے غلط فیصلے کے بعد دونوں میاں بیوی کے درمیان اچھے خاصے فاصلے بڑھ گئے تھے، ڈاکٹر جلال کو لگتا تھا کہ ڈیزی کی تربیت میں جو کمی رہ گئی تھی اس میں سراسر قصور ان کی بیوی کا ہے۔اس کا اظہار وہ وقتاً فوقتاً کرتے رہتے تھے۔

اگلے ہی دن ڈاکٹر جلال نے شائستہ بیگم کو اپنے کمرے میں بلوالیا، وہ ذہنی طور پر تیار تھیں، لیکن اس کے باوجود انہیں ایک دفعہ پھر دھچکا لگا تھا۔وہ دوٹوک انداز
میں اپنا فیصلہ شائستہ بیگم کو سنا سگار سلگانے لگے، جبکہ شائستہ بیگم کا سارا ہی وجود سلگ کر رہ گیا۔

''طیبہ اور صلاح الدین کی عمروں کا فرق دیکھا ہے۔۔؟؟؟''وہ ناراضی سے گویا ہوئیں۔

''خاندان میں رشتے کرتے ہوئے ایسی چیزیں نہیں دیکھی جاتیں۔''انہوں نے فوراً ہی یہ اعتراض رد کر دیا۔

''وہ میڈیکل کے پہلے سال میں ہیں، اُسے سکون سے پڑھنے تو دیں۔'' اس دفعہ ان کے لہجے میں ناگواری کا عنصر شامل ہوا۔

''تمہارا کیا خیال ہے، اسے بھی موقع دے دوں، کہ وہ جب چاہے، اپنے باپ کی عزت اپنے پیروں میں روندے اور کسی کے ساتھ منہ کالا کر کے بھاگ جائے۔'' وہ مشتعل انداز میں گویا ہوئے۔

''طیبہ ایسی نہیں ہے۔۔۔'' انہوں نے کمزور لہجے میں اپنی سب سے چھوٹی اولاد کا دفاع کرنا چاہا۔

''تو کیا ڈیزی کے ماتھے پر لکھا ہوا تھا کہ وہ ایسی ہے۔؟'' ان کے لہجے میں طنز کی آمیزش شامل ہوئی۔

"اسکی پڑھائی ڈسٹرب ہو جائے گی اور پھر طیبہ کو کہاں عادت ہے گاؤں کے ماحول میں رہنے کی۔" اس دفعہ انہوں نے محتاط انداز اپنایا۔

"سلیمان نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ طیبہ کو پڑھائی سے منع نہیں کرے گا۔" ان کے پاس سارے سوالوں کے جواب تھے۔

"پھر بھی آپ ایک دفعہ اور سوچ لیں۔۔۔" ان کا دل تو بُرا ہو ہی چکا تھا لیکن وہ پھر بھی مشورہ دینے سے باز نہیں آئیں۔

"میں نے جتنا سوچنا تھا، سوچ لیا، اب مذید سوچنے کی کوئی گنجائش نہیں۔" انہوں نے فوراً ہی انکار کیا۔

"تو پھر مجھ سے کیوں مشورہ کر رہے ہیں۔۔" ان کو بھی غصہ آیا۔

"مشورہ نہیں کر رہا، تمہیں بتا رہا ہوں، جو شاپنگ کرنی ہے، کرلو، مجھے تیمور کے جانے سے پہلے طیبہ کا نکاح کرنا ہے۔" انہوں نے بے لچک لہجے میں کہا تو وہ ناراضی کے اظہار کے طور پر چپ کر گئیں۔

جیسے ہی یہ خبر طیبہ تک پہنچی، اُسے سن کر شاک ہی تو لگا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اسکی قوت گویائی سلب ہو گئی ہو، کچھ لمحے صدمے کے زیر اثر رہنے کے بعد اس نے شکوہ کناں نگاہوں سے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔

"امّاں، ڈیزی باجی کے کیے کی سزا، بابا مجھے کیوں دے رہے ہیں۔؟" اسکی آنکھیں نم ہوئیں۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں بیٹا، وہ تو کچھ بھی سننے کو تیار نہیں، میں نے بہت بحث کر کے دیکھ لی ان سے۔" انہوں نے بے بس انداز میں اپنی ناکامی کا اعتراف کیا

"وہ اچھا نہیں کر رہے میرے ساتھ۔۔۔" طیبہ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

"میں کیا کروں، میری بیٹی، ایسا لگتا ہے جیسے یہ زندگی نہیں دو دھاری تلوار ہے، میری تو ساری کی ساری اولاد ہی بدقسمت نکلی۔" وہ بھی دوپٹہ منہ پر رکھ کر رونے لگیں۔ کمرے میں داخل ہوتے تیمور نے ان کا یہ جملہ بغور سنا تھا۔

''میں بتا رہا ہوں امّاں، میں اپنی زندگی سے کسی کو بھی کھیلنے نہیں دوں گا۔۔۔'' وہ خفگی بھرے انداز میں ان کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''تو کیا کرو گے تم۔۔۔؟'' انہوں نے بھیگے لہجے میں پوچھا۔

''بتا رہا ہوں، اگر بابا نے میرے ساتھ زبردستی کرنی کی کوشش کی تو خدا کی قسم، ان کے ساتھ ساتھ آپکو بھی ساری زندگی، اپنی شکل نہیں دیکھاؤں گا۔'' تیمور کے لہجے میں کچھ تھا، جس نے شائستہ بیگم کو اوپر سے لے کر نیچے تک ہلا دیا۔

''اس میں میرا کیا قصور ہے۔۔۔؟'' وہ گھبرا گئیں۔

''جب آپکے مجازی خدا، اپنے بچوں پر اپنے فیصلے زبردستی مسلط کر سکتے ہیں تو آپ میری خوشیوں کی خاطر میرا ساتھ نہیں دے سکتیں۔۔؟'' وہ زخمی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''تمہارا باپ جان سے مار دے گا مجھے۔۔۔''وہ خوفزدہ لہجے میں بولیں۔

''میں نے کہا ناں، آپکا نام کبھی بھی میرے لبوں پر نہیں آئے گا، میں مر جاؤں گا، لیکن یہ راز کبھی نہیں کھولوں گا۔'' تیمور نے انہیں مطمعن کرنے کی کوشش کی۔

''آپ لوگ کس چیز کے متعلق بات کر رہے ہیں۔''طیبہ اپنا غم بھول کر پریشان ہوئی۔

''بتا دیں گے تمہیں بھی، فی الحال تم اٹھو، اور دو کپ چائے کے بنا کر لاؤ۔'' تیمور نے اپنی چھوٹی بہن کو منظر سے ہٹایا۔

''تم کہو تو میں منشی غلام صابر سے بندیا کے بارے میں بات کر کے دیکھوں۔۔؟'' وہ نیم رضامندی سے بولیں۔

''ہرگز نہیں، بات کھل جائے گی اور سارا الزام آپ کے سر پر آ جائے گا، کیونکہ مجھے معلوم ہے، منشی چچا کبھی نہیں مانیں گے، وہ بینش کے بابا کی بہت عزت کرتے ہیں۔۔۔'' تیمور نے صاف گوئی سے کہا۔

''لیکن کسی کی بیٹی کے ساتھ ایسا کرنے کو میرا دل نہیں مانتا۔'' انہوں نے بیچارگی سے اپنا مسئلہ بتایا۔

''امّاں یہ ہم دولوگوں کی خوشی کا سوال ہے، بندیا کی منگنی بھی زبردستی اُسکے والدین نے کردی ہے اور وہ بھی وہاں شادی کرنا نہیں چاہتی۔'' تیمور نے التجائیہ نگاہوں سے اپنی ماں کی طرف دیکھا، جو خاصی شش و پنج کا شکار تھیں۔

''آپ کیا چاہتی ہیں کہ بینش میری زندگی کو بھی جہنم بنادے، میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔'' تیمور اچھا خاصا پریشان تھا۔

''تم اپنے باپ کے سامنے انکار کردو۔۔۔'' انہوں نے ایک اور تجویز دی۔

''آپ کا کیا خیال ہے، وہ مان جائیں گے۔؟'' اُس نے بیزاری سے سر کو جھٹکا دیا۔''وہ تو طیبہ کے ساتھ ساتھ میرا ابھی زبردستی نکاح پڑھوا کر ہمیشہ کے لیے پاکستان رکھ لیں گے، پلیز لمّاں، آپ سچوئشن کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

''اچھا، مجھے کچھ سوچنے دو۔۔۔'' وہ کافی حد تک مان چکی تھیں۔

اسی شام وہ طیبہ اور صلاح الدین کے رشتے کے بارے میں مشورہ کرنے کے لیے آغاجی کی طرف نکل آئیں، انہیں امید تھی کہ ان کے دیور حماد صاحب، ان کی بات سمجھ کر اپنے بڑے بھائی کو قائل کرنے کی کوشش کریں گے، کچھ بھی تھا، ڈاکٹر جلال، اپنے چھوٹے بھائی کی رائے کو خاصی اہمیت دیتے تھے۔ وہ کسی بھی قیمت پر طیبہ کی شادی صلاح الدین سے نہیں کرنا چاہتی تھی۔

انہوں نے بینش کے پورشن کی طرف قدم رکھا، ٹی وی لاؤنج خالی تھا اور سامنے بینش کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا، بندیا بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی اور بینش اس کے قدموں میں کارپٹ پر اس طرح بیٹھی تھی کہ دونوں کی پشت دروازے کی طرف تھی، بندیا، سرسوں کے تیل کا پیالہ پاس رکھے، بینش کے سر میں مساج کر رہی تھی، اس سے پہلے کہ شائستہ بیگم ان دونوں کو مخاطب کرتیں، بندیا کی بات نے انہیں خاموش رہنے پر

مجبور کر دیا۔

''بیا، آپ نے صلاح الدین کو دیکھا ہے۔؟ تایا ابا، جس کے ساتھ طیبہ کا نکاح کر رہے ہیں۔؟''

''وہ بھی بھلا کوئی دیکھنے کی چیز ہے۔۔۔'' بینش استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

''کیا مطلب۔۔۔؟''

''ایک نمبر کا جاہل، گنوار اور جنگلی بندہ ہے، نہ شکل اچھی اور نہ کرتوت۔'' اُس کا بے تکلفی سے کیا گیا تبصرہ شائستہ بیگم کا دل چیر کر رکھ گیا۔

''تو پھر تایا ابا، کیوں کر رہے ہیں طیبہ کی اس کے ساتھ شادی۔؟'' بندیا، کا مساج کرتا ہوا ہاتھ پریشانی کی وجہ سے رک گیا۔

''میں نے ہی مشورہ دیا تھا انہیں۔۔'' اُس نے مزے سے کہا۔

''آپ نے۔۔۔؟''بندیا کے ساتھ ساتھ دروازے میں کھڑی شائستہ بیگم کو بھی شاک لگا۔

''ہاں، میں نے انہیں کہا تھا کہ طیبہ کی شادی جتنی جلدی کر دیں گے تو اچھا ہوگا، پڑھائی تو ہوتی رہے گی۔'' وہ آنکھیں بند کیے، بہت سے لوگوں کی آنکھیں کھول رہی تھی۔

''تو کیا صلاح الدین کا نام آپ نے لیا تھا ان کے سامنے۔؟'' بندیا کو افسوس ہوا۔

''میں نے تو نہیں لیا تھا، وہ تو سلیمان چچا کا فون آ گیا تھا انہیں، کہ کوئی اچھی لڑکی بتائیں ان کے بیٹے کے لیے، میں بھی وہیں موجود تھی۔''وہ لاپروائی سے سارا قصّہ بیان کر رہی تھی۔

''پھر۔۔۔؟'' بندیا کا سانس رکا۔

''پھر خود ہی وہ بولے، کہ طیبہ اور اسکا جوڑ کیسا رہے گا۔؟؟؟''

''آپ کو منع کر دینا چاہیے۔۔۔''بندیا نے پریشانی سے کہا۔

''میرا دماغ خراب ہے جو تایا ابا کی کسی بات سے انحراف کروں، انہیں میری فرمانبرداری اور تابعداری

ہی تو بھاتی ہے، یہ علیحدہ بات کہ وہ کرتے وہی ہیں، جو میں چاہتی ہوں۔'' اسکا زعم بھرا انداز شائستہ بیگم کے لیے نیا نہیں تھا، لیکن انہیں حقیقتاً اس بات کا دکھ ہوا۔

''آپ پلیز تایا ابا کو سمجھائیں ناں، طیبہ بیچاری کا رو رو کر بُرا حال ہے، وہ بندہ ان کے قابل نہیں ہے۔'' بندیا نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

''مجھے کیا ضرورت پڑی ہے پرائی آگ میں کودتی پھروں، اچھا ہے، شادی ہو اسکی وہیں، تمہیں پتا نہیں ، جب اسکا میڈیکل میں ایڈمیشن ہوا تھا تائی امّاں کتنا اتراتی پھر رہی تھیں، انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی بڑا تیر مار لیا ہو۔'' اس کا لہجہ زہر میں ڈوبا ہوا تھا۔

''لیکن اس میں طیبہ بیچاری کا کیا قصور ہے۔؟'' بندیا نے اسکے سر کا مساج کرتے ہوئے ناگواری کا اظہار کیا۔

''مزا آئے گا اُسے بھی صلاح الدین سے شادی کر کے، وہ بھلا کہاں پڑھنے دے گا اُسے۔ پھر بتاؤں گی میں تائی امّاں کو اس خاندان میں صرف ایک ہی لڑکی ڈاکٹر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے اور وہ ہے بینش حماد۔'' اسکا طنزیہ لہجہ اب ناقابل برداشت تھا، شائستہ بیگم الٹے قدموں واپس لوٹ آئیں انہیں ، احساس ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر جلال کو اب دنیا کی کوئی طاقت نہیں سمجھا سکتی۔ اس واقعے کے بعد بینش ان کے دل سے مکمل طور پر اتر گئی تھی اور انہوں نے جذبات میں آ کر آخر کار وہ قدم اٹھا ہی لیا، جس کے بارے میں سوچتے ہوئے ان کا ضمیر ملامت کرنے لگتا تھا۔ اگلی ہی صبح بینش کے کالج جاتے ہی وہ تیمور اور بندیا کے ساتھ اپنی بہترین دوست فاخرہ کے گھر آ گئیں، جہاں چند لوگوں کی موجودمیں خاموشی سے تیمور اور بندیا کا نکاح پڑھوا دیا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہاشم ایک پرائیوٹ فرم میں انٹرویو دے کر نکلا تو سامنے سے آتی ایک بے قابو بائیک سے ٹکرا گیا، جس

کے نتیجے میں اسکی ٹانگ ہلکی سی فریکچر ہوگئی تھی اور ڈاکٹر نے اسکی ٹانگ پر چھ ہفتوں کے لیے پلستر چڑھا دیا تھا۔ ہاشم کو اسکا ایک دوست فلیٹ میں چھوڑنے آیا تو اسے دیکھ کر بختاور ایک دم پریشان ہوگئی۔ وہ اپنی ساری ناراضی بھلائے اب ہاشم کے آگے پیچھے پھر رہی تھی۔

''معلوم ہوتا کہ تمہارے ناراضگی، ایسے ختم ہوگی تو میں بہت پہلے ہی اپنی کوئی ہڈی تڑوالیتا۔'' وہ اسکے لیے یخنی بنا کر لائی تو ہاشم نے اسے چھیڑا۔ اُس نے مسکرا کر پیالہ سائیڈ میز پر رکھ دیا۔

''تم اب کچھ زیادہ ہی چپ چپ نہیں رہنے لگی ہو۔۔؟'' ہاشم نے کھوجتی نگاہوں سے اس کے چہرے پر کچھ تلاش کرنے کی کوشش کی۔

''نہیں تو۔۔'' وہ پھیکے انداز میں مسکرائی۔

''جھوٹ مت بولو بختاور، مجھے اچھی طرح پتا ہے، تم ابھی بھی مجھ سے خفا ہو۔'' وہ افسردگی سے گویا ہوا۔

''ایسی بات نہیں ہے، مجھے سمجھ ہی نہیں آتی کہ میں کیا بات کروں۔'' اُس نے بے بس انداز میں اعتراف کیا۔

''آئی ایم سوری یار، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ حالات ایسے ہو جائیں گے۔'' اس حادثے کے بعد ہاشم میں کافی تبدیلی آئی تھی لیکن یہ تبدیلی چندروزہ ہی تھی۔

کچھ ہی دن کے بعد ہاشم اور بختاور کو ایک بُری خبر ملی، ہاشم کی دکانوں میں شارٹ سرکٹ کی وجہ سے آگ لگ گئی اور سارا ہی سامان جل کر خاک ہوگیا۔ اس

خبر نے جہاں بہت سے لوگوں کو پریشان کیا تھا وہاں ہاشم کے تو ہاتھ پیر پھلا دیئے۔ وہ بے روزگار تھا اور اسکا ذریعہ معاش وہی دکانیں تھیں جو جل کر خاکستر ہوگئیں تھیں۔

''اب کیا ہوگا بختاور۔۔۔۔۔۔۔؟'' ہاشم بوکھلا گیا، وہ ابھی چلنے پھرنے سے قاصر تھا اور پلستر کھلنے میں کافی دن پڑے تھے، اوپر سے یہ سانحہ ہوگیا۔

''اللہ مالک ہے۔۔۔'' اُس نے اپنے شوہر کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

''اللہ زمین پر آ کر ہمیں کھانے کے لیے تھوڑا دے کر جائے گا۔'' وہ شدید ذہنی تناؤ کا شکار تھا۔

''اللہ کے بندے دے جائیں گے،ٹینشن لینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے ہاشم۔'' وہ اسکے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

''تمہیں صورت حال کا اندازہ نہیں ہے،ان دونوں دکانوں کی ہر چیز جل گئی ہے،اُسے اپنی صحیح حالت میں لانے کے لیے کافی پیسہ چاہیے،جو میرے پاس نہیں ہے۔'' وہ اس وقت اپنے آپ سے بھی خفا لگ رہا تھا۔

''لیکن پریشانی بھی تو کسی چیز کا حل نہیں ہے۔۔۔''بختاور کو پہلی دفعہ اندازہ ہوا تھا کہ وہ بہت کمزور اعصاب کا مالک ہے۔

''میرے پاس اس مہینے صرف پانچ ہزار روپے ہیں اب تم خود بتاؤ،میں کیا کروں۔؟''بختاور کو پہلی دفعہ صورتحال کی سنگینی کا احساس ہوا۔ڈاکٹر نے ہاشم کو گوشت اور یخنی زیادہ سے زیادہ پینے کا مشورہ دیا تھا اور یہاں دکانوں کے جلنے سے اگلے دو ماہ کے لیے بھی کرائے کی کوئی امید نہیں تھی۔وہ خاموشی سے کچن میں چلی آئی،آٹے کا کنستر خالی ہونے کے قریب تھا اور آئل بھی تقریباً ختم تھا۔

اُس نے دالوں کا پیکٹ اٹھایا اور خاموشی سے بیٹھ کر دل چننے لگی،دل بے شمار اندیشوں کی اماجگاہ بنا ہوا تھا۔بیٹیوں کی موت کا دکھ پس پردہ چلا گیا تھا اور معاشی
مسائل منہ کھول کر سامنے آن کھڑے ہوئے تھے۔

''ایک کپ چائے کا ملے گا کہ نہیں۔۔۔سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔''ہاشم اپنے کمرے میں لیٹا ہوا چیخا،اُس نے گھبرا کر دال ایک سائیڈ پر کی اور جلدی سے چائے کا پانی چولہے پر رکھا۔چینی کا مرتبان کھولا تو ایک اور دھچکا لگا،اندر صرف دو چمچ چینی پڑی تھی،اُس نے بوجھل دل کے ساتھ چائے بنائی اور کمرے میں لے آئی۔وہ بیزار انداز میں لیٹا ہوا تھا۔

''پتا نہیں کس بات کی سزا ملی ہے مجھے، لولا لنگڑا ہو کر پڑ گیا ہوں بیڈ پر۔۔۔'' اُس نے جلدی سے چائے کا گھونٹ پڑا اور پھر ناگواری سے بختاور کی طرف دیکھا۔ ''اس میں تھوڑا دودھ تو ڈال لیتیں، بدمزا سا قہوہ بنا کر لے آئی ہو۔''

''دودھ ختم تھا۔۔۔'' اُس نے ڈرتے ڈرتے صفائی دی۔

''ہاں اب تو ہر بات کے جواب میں یہی سننے کو ملے گا، فلاں چیز ختم ہے، اور فلاں چیز لانی ہے۔'' وہ اپنے اندر کی فرسٹریشن نکالنے کے لیے موقع ڈھونڈ رہا تھا۔ جو اُسے بختاور نے فراہم کر دیا تھا۔

''اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں۔۔۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''نہیں میرا قصور ہے، میں نے خود جا کر اپنی دکانوں کو آگ لگائی ہے۔'' وہ ہر بات کا الٹا جواب دے رہا تھا۔ اس لیے بختاور نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔ وہ یونہی اٹھ کر کمرے کی چیزیں سمیٹنے لگیں۔

''سچ سچ بتاؤ تم دل ہی دل میں پچھتاتی تو ہونگیں، کس کنگلے سے شادی کر لی اور اپنے باپ کا شاندار بنگلہ چھوڑ کر آ گئی۔'' وہ کہیں کا غصہ کہیں اور نکال رہا تھا۔ بختاور نے گلہ آمیز انداز میں اسکی طرف دیکھا۔

''میری کس بات سے لگا ہے آپ کو۔۔۔؟'' وہ ہلکا سا جھنجلا گئی۔

''یہی جو تم اپنے ہونٹوں پر خاموشی کے تالے لگائے پھرتی ہو، یقیناً دل ہی دل میں مجھے کوستی ہونگیں۔'' وہ آجکل غلط انداز نے لگانے کا ماہر ہو چکا تھا۔

''بہت ہی افسوس کی بات ہے، اگر آپ ایسا سوچتے ہیں۔۔۔'' اُسے بھی غصّہ آ گیا۔

''میں حقیقت بتا رہا ہوں تمہیں، اور ایک تجویز ہے میرے پاس تمہارے لیے۔'' ہاشم کی اگلی بات نے اُسے حیران کیا۔

''وہ کیا۔۔۔؟'' وہ پریشان انداز سے اسکا سپاٹ چہرہ دیکھنے لگی۔

''تم اگر چاہو تو اپنے والدین کے گھر واپس جا سکتی ہو، میری طرف سے اجازت ہے تمہیں۔'' وہ نظریں چرا کر بولتا ہوا بختاور کو شدید صدمے سے دوچار کر گیا، وہ ہونق انداز سے اپنے شریک سفر کو دیکھنے لگی، اُسے کہاں توقع تھی کہ وہ اس سے ایسی بات بھی کہہ سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''عدینہ باجی سخت خفا ہوں، میں آپ سے۔۔۔'' رات کو وہ جیسے ہی اپنے اور مونا کے مشترکہ کمرے میں داخل ہوئی، مونا نے اسکی طرف دیکھتے ہی جھٹ سے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔

''ارے وہ کیوں بھلا۔۔؟'' وہ مسکراتے ہوئے اپنا بیگ کھولنے لگی۔

''آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ عبداللہ بھائی زندہ ہیں۔'' وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

''ہماری ملاقات ہوتی تو تب ہی بتاتی ناں۔۔۔'' عدینہ نے اسے اپنی صفائی دینے کی کوشش کی۔

''اتنی بڑی خوشخبری فون پر بھی تو سنائی جا سکتی تھی۔۔۔'' مونا جھنجھلا کر اٹھ بیٹھی۔

''تو پھر تمہارے چہرے کے اتنے پیارے تاثرات دیکھنے کو کیسے ملتے بھلا۔؟ عدینہ نے پیار سے اسکی ٹھوڑی کو ہلایا تو اسکی ساری خفگی بھک کر کے اڑ گئی۔

''ویسے میں مان گئی، آپکی محبت کو۔'' اُس نے مسکراتے ہوئے عدینہ کا ہاتھ پکڑا تو اُس نے سوالیہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا۔

''ساری دنیا کہتی تھی کہ وہ زندہ نہیں ہیں، لیکن آپ نے کسی کی بات کا یقین نہیں کیا۔''

''اس لیے کہ میرا دل ہی نہیں مانتا تھا۔'' اُس نے اپنا رات کو پہننے کے لیے آرام دہ سوٹ نکالا۔

''ان کپڑوں کو چھوڑیں، یہ بتائیں کہ آپ کی کیا فیلینگس تھیں، جب آپ نے پہلی دفعہ دیکھا انہیں۔؟''

وہ حد درجہ بے تاب ہو رہی تھی۔

''سچ پوچھو، تو میرا دماغ ایک دم بھک کر کے اڑ گیا تھا۔'' اُس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

''پھر۔۔۔؟'' وہ متجسس ہوئی۔

''اُس کے بعد مجھے اُس پر بے تحاشا غصّہ آیا، میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں کچھ کر گذروں۔'' وہ مونا کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتی تھی اس لیے سچ سچ بتا دیا جسے سن کر کم از کم مونا کو دھچکا سا لگا تھا۔

''میں نے کھری کھری سنا دیں اسے، اور یہ بھی کہا کہ وہ دوبارا مجھ سے کوئی رابطہ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ مجھے اب اسکی ضرورت نہیں۔''

''یہ تو سراسر ناشکری کی ہے آپ نے۔۔۔'' مونا کو غصّہ آ گیا۔ ''پہلے اتنا عرصہ روتی رہیں اور جب وہ مل گئے تو ایسی باتیں کہنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''اس لیے کہ وہ خود سے نہیں آیا تھا میرے پاس، وقت نے ملایا تھا ہم دونوں کو۔۔۔'' وہ ابھی تک خفا تھی۔

''مجھے تو سخت حیرت ہو رہی ہے کہ آپ عبداللہ بھائی سے اتنا خفا بھی ہو سکتی ہیں۔'' مونا کو یقین نہیں آیا۔

''جن سے بے تحاشا محبت ہو، ان سے ناراضگی کا تعلق بھی اتنا ہی گہرا ہوتا ہے۔۔۔'' اُس نے سادگی سے کہا۔

''لیکن ان کو کتنا دکھ ہوا ہوگا، آپ کی اس بات پر۔۔۔'' مونا افسردہ ہوئی۔

''لیکن اُس دکھ سے کم ہوگا، جو اذیت پچھلے ڈھائی سال میں نے برداشت کی، ایسے لگتا تھا جیسے زندگی ہی پل صراط بن گئی ہو۔ بس ہر لمحہ یہی کرب ستاتا تھا کہ وہ مجھ سے خفا ہو کر گیا تھا۔۔۔'' وہ افسردگی سے نظریں جھکائے بولی۔

''تو اب کیا ہو گیا ہے آپکو۔۔۔؟'' مونا نے ناسمجھ انداز میں اسکی طرف دیکھا۔

''اب میں اس خلش اور پچھتاوے کی بستی سے نکل آئی ہوں، محبت اپنی جگہ، لیکن اس نے میری انا کو مجروح کیا ہے، وہ ڈھائی سال میری بے بسی سے کھیلتا رہا اُسے ایک دفعہ بھی احساس نہیں ہوا کہ وہ کسی کو

اذیت کے سمندر میں دھکیل آیا ہے۔" عدینہ کے لہجے میں گلے شکوؤں کا ایک جہان آباد تھا۔

"ان کے جہاز کو حادثہ پیش نہیں آیا تھا کیا۔۔؟" مونا نے حیرانگی سے پوچھا۔

"میں نے تو نہیں پوچھا، لیکن میری دوست اور یدا کو بتایا ہے اُس نے، اُس دن اسکا اور اسکے دوست کا ایئر پورٹ آتے ہوئے ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا، اس لیے اسکی فلائیٹ مس ہو گئی تھی۔"

"اوہ نو۔۔۔۔ پھر۔۔۔؟" مونا کی سانس رکی۔

"پھر اسکی ایک ٹانگ اور بازو فریکچر ہو گیا اور اسکے دوست کی اس حادثے میں موت واقع ہو گئی۔" عدینہ نے ایک اور انکشاف کیا۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا ان کے ساتھ۔۔۔" مونا کے منہ سے پھسلا۔

"ہاں بتا رہا تھا کہ پورے چھ مہینے وہ ہوسپٹل میں رہا اور پھر اس نے اپنے ماموں سے رابطہ کر کے انہیں بلایا، اور سختی سے منع کر دیا انہیں کہ اسکی ماں کے علاوہ

کسی اور کو اسکے زندہ رہنے کا نہ بتائیں۔۔۔" عدینہ کا چہرہ تاریک ہوا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔۔۔۔؟" مونا کو مایوسی ہوئی۔

"وہ مجھ سے اور آپا سے خفا تھا، اس لیے اُس نے اپنی ماں کو بھی ملائشیا بلوا لیا، جہاں وہ پی ایچ ڈی کر رہا تھا۔" اُس نے مذید بتایا۔

"یہ کیا بات ہوئی، انہیں کم از کم آپکو تو بتانا چاہیے تھا۔۔۔" اُسے ایک دم غصّہ آیا۔

"اُس کے لیے اسکی والدہ اہم تھیں، اُس نے انہیں آگاہ کر دیا، باقی سارے لوگوں سے تو تعلق توڑ چکا تھا وہ۔" وہ بدگمان ہوئی۔

"خیر تعلق تو نہیں توڑا ہو گا، اگر ایسا ہوتا تو اب کیوں آپ کے پیچھے آ رہے ہیں بار بار۔۔" مونا نے فوراً ہی طرفداری کی۔

"اب ایسی ہی کوئی خلش اُسے ستا رہی ہو گی کہ اُس نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ۔۔۔" وہ اپنے پلنگ کی چادر ٹھیک کر کے لیٹ گئی۔

"تو اب آپ کیا کریں گی اُن سے۔۔۔"؟ مونا پریشان ہوئی۔

"وہی جو اُس نے میرے ساتھ کیا تھا۔ لاتعلقی کی چادر اوڑھنا صرف اسی کو نہیں آتی۔ سارے ہی لوگوں کو اپنی عزت اور انا عزیز ہوتی ہے۔" وہ بے لچک لہجے میں اپنے ارادوں سے آگاہ کر کے لیٹ گئی اور مونا ہکا بکا انداز میں اسکی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ عبداللہ واپس آئے گا تو عدینہ اس طرح بے رخی سے اسکا استقبال کرے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شانزے کا ڈرامہ آن ایئر ہوتے ہی دھوم مچ گئی تھی، اسکی ابتدائی اقساط نے ہی ریٹنگ چارٹ میں سب سے اوپر اپنی جگہ بنالی تھی۔ اس کے ساتھ ہی شانزے کے پاس آفرز کا ایک طوفان آ گیا تھا۔ اسکے اسٹائل میں ایک محسوس کیے جانے والا اعتماد اور بے نیازی آ گئی تھی۔

"تم آخر کہاں بزی ہو آجکل۔۔۔۔" اُس دن ماہیر کی اچانک ہی کال آ گئی، وہ کچھ اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔

"کہیں نہیں۔۔۔۔" اُس نے محتاط انداز میں جواب دیا۔

"مجھے سرمد بتا رہا تھا تم نے ہمارے آفس کی جاب چھوڑ دی ہے۔؟" اُس کے اس سوال نے شانزے کو بوکھلا دیا۔

"ہاں وہ، مینج نہیں کر پا رہی تھی۔۔۔" اُس نے گول مول سا جواب دیا۔

"ایسی کون سی تمہاری مصروفیت ہو گئی ہے جو تم یہ مینج نہیں کر پا رہیں تھیں۔۔" وہ حیران ہوا۔

"کوئی خاص نہیں، تم آؤ گے تو بیٹھ کر بات کریں گے۔۔" اُس نے صاف اُسے ٹالا تھا۔

''میں نے پاپا سے تمہارے متعلق بات کی ہے۔۔۔'' ماہیر کی اس بات نے اسکے چھکے اڑا دیئے۔

''پھر۔۔۔'' ؟؟؟

''وہ ملنا چاہ رہے تھے تم سے، تم اپنی پھپھو سے بات کرو ناں، میں پاکستان آتے ہی یہ قصہ نبٹانا چاہتا ہوں۔'' وہ اپنی ہی دھن میں بول رہا تھا

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔۔۔۔'' اسکی زبان لڑکھڑا گئی، اور ذہن میں وہ سارے پراجیکٹس گھومنے لگے، جو وہ سائن کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اُس نے جیسے تیسے کر کے بات ختم کی اور کچن میں رباب کے پاس آ گئی جو فرائیڈ رائس بنا رہی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ شانزے اب کیا ہوگا۔۔۔؟'' رباب کا حیرت کی زیادتی سے منہ کھل گیا۔

''یہی تو سمجھ نہیں آ رہی مجھے۔۔۔'' وہ بھی پریشان ہو چکی تھی۔

''کب تک آ رہا ہے وہ پاکستان۔۔۔؟'' رباب اپنے آپ کو سنبھال کر اب اسکا فکر مند چہرہ دیکھنے لگی۔

''کہہ تو یہی رہا تھا کہ جلد ہی آ جائے گا۔'' وہ منہ بناتے ہوئے چھیلے ہوئے مٹر کھانے لگی۔

''تو اب کیا کرو گی تم۔۔۔؟'' اُس نے پریشانی سے پوچھا۔

''تم بتاؤ ناں، اب تو سرمد بھائی بھی مجھ سے خفا ہیں۔ ان سے بھی مشورہ نہیں کر سکتی میں۔'' اُس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''تم نے بہت بڑی بے وقوفی کی ہے انہیں خفا کر کے۔۔'' رباب نے سبزیاں فرائی کرتے ہوئے صاف گوئی سے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''مجھے کیا پتا تھا وہ ایسے ناراض ہو جائیں گے، دوبارہ مڑ کر بھی نہیں دیکھیں گے۔'' اُس نے گاجر کا ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈالا۔

''خیر اب تم یہ تو نہ کہو، تمہیں پتا نہیں تھا، تم نے سب کچھ جان بوجھ کر کیا ہے۔'' رباب نے اُسے آئینہ

دیکھایا۔

''ٹرسٹ می رباب، پہلے شوبز میرا شوق تھا لیکن اب مجھے میری مجبوری کھینچ کر لائی ہے اس فیلڈ میں۔''

اُس نے صفائی دینے کی کوشش کی۔

''ان ساری باتوں پر میں یقین کر سکتی ہوں، ماہیر اور سرمد نہیں۔۔۔'' رباب نے اُسے مذید پریشان کیا۔

''اسی بات کی تو ٹینشن ہے مجھے۔۔۔۔''

''ابھی بھی وقت ہے شانزے، تم خود ماہیر کو بتادو، اگر وہ پاکستان آگیا اور اُسے یہاں آ کر اس بات کا پتا چلا تو وہ بہت ہرٹ ہوگا۔'' اُس نے اُسے ایک نئی راہ دیکھائی۔

''وہ تو ٹھیک ہے یار، لیکن میری ہمت ہی نہیں پڑ رہی، وہ جان سے مار دے گا مجھے۔۔۔'' شانزے کو اب معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہو رہا تھا۔

''پھر ایسا کرو، سرمد سے بات کرو، وہ کوئی نہ کوئی راستہ نکال لے گا۔'' اُس نے نیا مشورہ دیا۔

''وہ بھی تو اُسی کا کزن ہے، اسی کی طرفداری کرے گا۔۔۔'' شانزے نے منہ بنا کر اسے یاد دلایا۔

''تو ٹھیک ہے، پھر خود ہی بھگتنا اس ساری سیچوئشن کو۔۔۔'' اُس نے بھی ہاتھ جھاڑ کر چاولوں کو دم دیا اور سکون سے کچن سے نکل آئی۔

''زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا۔۔۔؟'' وہ اسکے پیچھے چلی آئی۔

''ماہیر اور تمہارا رشتہ ختم بھی تو ہو سکتا ہے۔۔۔'' اُس نے محتاط انداز میں اسے ڈرانا چاہا۔

''سو واٹ۔۔۔؟؟؟؟'' اب کہ حیران ہونے کی باری رباب کی تھی، اُسے شاک لگا، وہ تعجب اور حیرانگی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی، جس پر نئی دنیاؤں کو تسخیر کرنے کی لگن صاف پڑھی جا رہی تھی۔ رباب کو اس کی کم عقلی پر ٹھیک ٹھاک افسوس ہوا۔

''تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا کیا۔۔۔؟'' وہ ناگوار نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''جب اُسے فرق نہیں پڑے گا تو میں نے اکیلے سوگ منانے کا ٹھیکہ تھوڑی اٹھا رکھا ہے۔'' وہ مزے سے ڈریسنگ میز سے نیل پالش اٹھا کر لگانے لگی۔

''اس کا مطلب ہے، کل کو میں تمہیں چھوڑ کر چلی جاؤں تو تمہیں اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' رباب کے لہجے سے خفگی چھلکی۔

''میں نے ایسا کب کہا۔۔۔؟'' وہ بوکھلا گئی۔

''مطلب تو تمہارا یہی تھا ناں، تمہاری زندگی میں کوئی آئے جائے، تمہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' وہ اس ٹھیک ٹھاک ناراض ہو کر الماری سے اپنا بیگ نکالنے لگی، اس دفعہ تو شانزے کے حقیقتاً چھکے چھوٹ گئے۔

''تم کہاں جا رہی ہو۔۔۔؟'' وہ فوراً اس کے پاس لپکی۔

''ہوسٹل۔۔۔'' اُس نے مختصراً جواب دیا اور واڈروب سے اپنے کپڑے نکالنے لگی۔

''دماغ تو نہیں خراب ہو گیا تمہارا۔۔۔؟ کیوں کر رہی ہو تم ایسا۔؟'' رباب کے ارادوں نے اسے خوفزدہ کیا۔

''اس لیے کہ مجھے پتا چل گیا ہے، تمہاری زندگی میں رشتوں کی کوئی اہمیت نہیں، شاید اس لیے کہ تم نے کبھی زندگی میں رشتوں کو برتا ہی نہیں۔'' اسکا تلخ لہجہ شانزے کا دل چیر کر رکھ گیا۔

''تم کیسے کہہ سکتی ہو یہ بات۔۔۔؟'' وہ تھوڑا مدھم ہوئی۔

''اس لیے کہ تم نے اپنی زندگی میں آنے والے کسی مخلص رشتے کی قدر نہیں کی، چاہے وہ سرمد ہو یا ماہیر، تم نے محض انہیں اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا ہے، کل کو جب تمہیں میری بھی ضرورت نہیں ہو گی تو تم ایسے ہی الفاظ میرے لیے بھی بول رہیں ہونگی۔۔'' وہ سخت الفاظ میں اُسے آئینہ دیکھاتے ہوئے مزید

گویا ہوئی۔ ''اور کم از کم میں وہ ٹشو پیپر نہیں بننا چاہتی، جسے تم اپنی ضرورت کے وقت استعمال کرو، اور پھر پھینک دو۔'' اُس نے غصّے سے اپنے بیگ کی زپ بند کی، اور مڑ کر شانزے کا دھواں دھواں سا چہرہ دیکھا۔ وہ اس طرح رباب کی طرف دیکھ رہی تھی، جیسے اسکی قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عدینہ جیسے ہی اپنے گاؤں سے واپس آئی، اوریدا کا بجھا بجھا سا چہرہ، افسردہ آنکھیں اور سست سا انداز دیکھ کر حیران رہ گئی۔ دو ہی دن میں اوریدا کی شکل بیماروں جیسی ہو گئی تھی، وہ خالی نگاہوں اور غیر حاضر دماغ کے ساتھ کلاس روم میں بیٹھی بس پروفیسرز کا چہرہ دیکھتی رہ رہتی۔

''کیا ہوا ہے تمہیں۔؟ حالت دیکھی ہے تم نے اپنی۔۔۔'' عدینہ اسکا بازو پکڑ کر کیفے ٹیریا میں لے آئی۔

''کیوں، کیا ہوا۔۔۔؟'' وہ زبردستی مسکرانے کی کوشش میں عدینہ کو خاصی احمق سی لگی۔

''فار گاڈ سیک، ایسے مت مسکراؤ، مجھے غصہ آ رہا ہے تم پر۔۔۔'' وہ ہلکا سا چڑ کر بولی۔

''تو کیسے مسکراؤں۔۔۔؟'' اوریدا نے نگاہیں چرا کر پوچھا۔

''میرے سامنے یہ فارمیلٹی نبھانے کی ضرورت نہیں، اٹھو اور میرے ساتھ گھر چلو۔۔۔'' وہ فوراً ہی فیصلہ کن انداز میں کھڑی ہو گئی۔

''کس کے گھر۔۔۔؟'' اُس نے غائب دماغی سے پوچھا۔

''ظاہر ہے تمہارے گھر، اور کہاں۔۔۔؟'' عدینہ کو اس پر رحم آیا، اس لیے اس دفعہ اس نے نرمی سے اسکا بازو پکڑا اور باہر لے آئی۔

''ارصم کے گیسٹ چلے گئے کیا۔۔۔؟'' گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اُس نے دانستہ لاپرواہ انداز میں اوریدا سے پوچھا۔

''پتا نہیں۔۔۔'' اوریدا نے گاڑی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

''کتنی راتوں سے جاگ رہی ہو تم۔۔۔؟'' عدینہ نے فکرمند لہجے میں اس سے دریافت کیا۔

''پچھلی تین راتوں سے۔۔۔'' اوریدا کی صاف گوئی پر اُسے جھٹکا لگا۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ فوراً اس بات سے مکر جائے گی۔

گاڑی ان کے گھر کے پورچ میں داخل ہوگئی تھی، وہ دونوں جلدی سے باہر نکلیں تو سامنے بڑا ابّا کہیں جانے کے لیے عجلت بھرے انداز سے ادھر ہی آ رہے تھے، انہیں دیکھ کر وہ ایک لمحے کو ٹھٹک کر رک گئے۔

''بڑے ابّا میں آپ سے سخت خفا ہوں۔۔'' عدینہ نے انہیں دیکھتے بے تکلفی سے گلہ کیا، وہ ایک لمحے کو حیران ہوئے۔

''میں دو دن کے لیے اپنے گھر گئی تھی، آپ نے میری غیر موجودگی میں میری دوست کا بالکل بھی خیال نہیں رکھا۔'' اسکی بات پر اوریدا سپٹا سی گئی، جبکہ بڑے ابا کے ہونٹ بھی تھوڑے سے پھیلے۔

''کیا ہوا اوریدا کو۔۔۔؟'' انہوں نے غور سے اسکے ساتھ کھڑی اپنی پوتی کو دیکھا، جس کی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے بن چکے تھے۔

''کچھ نہیں ہوا ابّا، اسے تو فضول بولنے کی عادت ہے۔'' وہ خفت زدہ انداز میں سر جھکائے بولی۔

''میں کچھ ملٹی وٹامنز بھجواتا ہوں ڈرائیور کے ہاتھ، کھانا کھا کر اسے لو اور سو جاؤ۔'' انہیں فوراً ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ شدید قسم کی نیند کی کمی کا شکار ہے۔

''آپ کیسی ہیں بیٹا۔؟ آپکی والدہ خیریت سے ہیں۔؟'' بڑے ابّا اب عدینہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

''میں ٹھیک ہوں لیکن امّی کی طبیعت ٹھیک نہیں، اکثر ہی ٹمپریچر رہنے لگا ہے انہیں۔'' عدینہ کو اچانک یاد آیا کہ وہ صبح جلدی میں آپا سے ان کی فائل لینا بھول گئی تھی۔ اُسے دل ہی دل میں خاصی شرمندگی ہوئی۔

''آپ ان کی رپورٹس دکھا دیجئے گا مجھے، انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گی وہ۔'' انہوں نے نرم لفظوں میں

اسے دلاسا دیا۔اسی وقت گھر کا گیٹ کھلا اور سرمد کی گاڑی اندر داخل ہوئی ۔وہ تینوں اسکی طرف متوجہ ہوئے۔وہ پورچ میں ان کی گاڑی کے پیچھے اپنی کار کھڑی کر چکا تھا۔

''ماہیر۔۔۔۔۔۔۔!!!'' اوریدا کو خوشگوار حیرت کا جھٹکا لگا۔چونکے تو بڑے ابّا بھی تھے لیکن انہوں نے خود کو جلد ہی سنبھال لیا۔

''ارے بڑی امّاں۔آپ۔۔!!!گاڑی کا پچھلا دروازہ کھلا تو اوریدا کو ایک اور سرپرائز ملا۔وہ بے اختیار ان کی طرف بڑھی اور اور اس کے ساتھ ہی اسکے قدم زمین نے جکڑ لیے،وہ ہکا بکا انداز سے کار سے نکلتے تیسرے فرد کو دیکھ رہی تھی،اُس نے بے یقینی سے اپنی آنکھیں ملیں،ایک لمحے کو اُسے ایسا لگا جیسے سامنے کا منظر اسکی بصارت کا ایک خوبصورت دھوکا ہو۔

''اوہ مائی گاڈ۔۔۔۔۔!!!''حیرت کی زیادتی سے سے اُس نے اپنی آنکھوں کو مل کر دیکھا۔

''واٹ آ سرپرائز۔۔۔''وہ تیر کی طرح اڑتی ہوئی ان تینوں کی جانب بڑھی۔

جب کہ ان سب سے بے نیاز عدینہ بڑے ابّا کا چہرہ دیکھ رہی تھی،جس پر اذیت،دکھ،غم اور ناراضی کے سوا کچھ نہیں تھا،وہ دھواں دھواں سی نگاہوں سے اپنے
سامنے کھڑے اُس تیسرے شخص کی طرف دیکھ رہے تھے،ان کی گمان کی آخری سرحدوں پر بھی نہیں تھا،کہ قسمت کبھی دوبارا اسے ان دونوں کو ایک دوسرے کے بالمقابل لا کھڑا کھڑے گی۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باقی آئندہ

Edited By Reyan (www.urdunovelsonline.com)